وحدتِ امت

مولانا مفتی محمد شفیعؒ

مناظرہ ومجادلہ

علامہ ابن عبدالبر الاندلسیؒ

وحدتِ امت

مولانا مفتی محمد شفیعؒ

وحدتِ امت کا نسخہ

مولانا مفتی محمد اسحٰق حفظہ اللہ

مناظرہ ومجادلہ

علامہ ابن عبدالبر الاندلسیؒ

ترتیب: خالد اشرف حفظہ اللہ

طارق اکیڈمی
ڈی گراؤنڈ (سوسہ چوک) فیصل آباد 546964

فہرست

وحدت ملت

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملّت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد
اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی و محکومی و نومیدیِ جاوید
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد
مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

(علامہ محمد اقبالؒ)

عرضِ ناشر

مسلمان جن کی ساری آبرو اتحاد و یگانگت میں تھی، ایسے پارہ پارہ ہوئے کہ اصل مسلمانوں کی پہچان مشکل ہوگئی، قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا تھا ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور پارہ پارہ نہ ہونا۔ (آل عمران:۱۰۳)

ایک اللہ ...... ایک رسول ...... ایک کتاب کے ماننے والوں کی فرقہ بندیوں کی کہانی بڑی افسوسناک ہے ...... اسلام کی عظمت گروہ بندیوں میں ایسی ملیا میٹ ہوگئی ...... کہ آج مسلمان سوا ارب کی تعداد میں ہونے کے باوجود بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے ...... دشمن اپنی مرضی سے مسلمانوں کے ملکوں کے ملک اور بستیوں کی بستیاں نیست و نابود کررہا ہے ...... کشمیر، افغانستان، عراق، فلسطین کونسی سرزمین ہے، جس میں مسلمان عزت اور سکون سے جی رہے ہیں .... آہ

آبرو تیری جمعیت سے تھی
جب سے جمعیت گئی رسوا تو زمانے میں ہوا

تاریخ گواہ ہے ...... اتحاد اور وحدت کی برکت سے دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑے عرصہ میں اسلام عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں سے یورپ کی منجمد فضاؤں تک پھیل گیا ...... خلافتِ راشدہ کے سنہری دن ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ مسلمانوں کی سلطنت 22 لاکھ مربع میل پر محیط تھی ...... مسلمانوں کی اصل طاقت، اتحاد و یگانگت میں تھی ...... جسے شیطان کی ایسی نظر لگی کہ خالص مسلمان نام کی شے روئے زمین سے ناپید ہوگئی ...... اب آپ کو دیوبندی، بریلوی، وہابی، سہروردی، چشتی، قادری، تبلیغی، سیفی، نہ معلوم کیا کیا ...... سب کچھ ملے گا، افسوس صد افسوس کہ مسلمان نہیں ملے گا ...... انا للہ وانا الیہ راجعون

فقہ نام تھا سوجھ بوجھ کا ...... اپنی سوجھ بوجھ کو مسلک کا نام دے کر ایسا رواج دیا گیا کہ جب تک آپ سنی، وہابی، دیوبندی، بریلوی نسبت ظاہر نہیں کریں کوئی آپ کو مسلمان تسلیم نہیں کرے گا ......

امت کے عظیم الشان عالم دین حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے پوری تحقیق کے بعد یہ فیصلہ سنایا کہ ابتدائی اسلام کے 400 سال تک مسلمان ان نسبتوں اور مسلکوں سے نا آشنا تھے...... تمام تر مسلمان ایک کتاب اور ایک ہی پیغمبر ﷺ کی پیروی کو باعثِ فخر اور ذریعہ نجات سمجھتے تھے...... جہاں کہیں اختلاف درپیش ہوتا...... اللہ کی کتاب اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنت اور فرمان کو سامنے رکھ کر باتِ ختم کر دی جاتی ...... نفرت اور تعصب نے تو صورت حال یہاں تک پہنچادی ہے کہ اختلاف کے موقع پر قرآن کی آیت یا صحیح حدیث مبارکہ کا ذکر کیا جائے تو لوگ نہیں مانتے......

اختلاف انسانی فطرت کا حصہ ہے...... ابھی پیارے پیغمبر ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے ہی تھے کہ آپ ﷺ کی آخری آرام گاہ کے تعین میں اختلاف پیدا ہو گیا...... صدیق اکبرؓ نے پیارے پیغمبر ﷺ کا جب یہ فرمان سنایا کہ ''پیغمبر کی وفات جائے مدفن پر ہی ہوتی ہے۔'' (کتاب الجنائز، موطا الامام مالکؒ) تمام صحابہ نے خاموشی سے سر تسلیم خم کر دیا۔

آج بھی پارہ پارہ ملت کے زخموں کا علاج وحدت ہی میں ہے............ اگر مسلکی تعصب کی اندھی تقلید کو چھوڑ کر کتاب و سنت کا دامن تھام لیا جائے تو پھر وہی بابرکت فضاء پیدا ہو سکتی ہے...... کس قدر بدبختی کی انتہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ میری محبت چاہتے ہو تو میرے پیغمبر ﷺ کی پیروی کرو...... کے باوجود ہم اپنی فقہ اپنے مسلک، اپنے پیر، اپنے امام کی بات کو حرف آخر سمجھ کر اسوہ رسول ﷺ کو چھوڑ دیتے ہیں ایک ہی ہستی (محمد رسول اللہ ﷺ) کی پیروی کا نسخہ آج بھی اُمت کو وحدت کی لڑی میں پرو سکتا ہے۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ عدم تشدد اور رواداری کو فروغ دیا جائے...... اختلافی مسائل کو بہانہ بنا کر ایک دوسرے کو کافر کہنا اور نفرت کا اظہار بند کیا جائے............

فرقہ پرستی کے زہر کو کم کرنے میں علماء کرام بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں...... ہر دور میں امت کے غم میں مبتلا علماء ربانی فرقہ پرستی کا تریاق ڈھونڈتے رہے...... اللہ تعالیٰ کروڑ ہار حمتیں برسائے مفکر اسلام مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ پر جو ہمیشہ

وحدت امت کا سبق دیتے رہے...... انہی کی خواہش پر ملک کے مایہ ناز عالم مفتی محمد شفیعؒ (کراچی) نے جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں 1965ء میں بڑا فکر انگیز خطاب فرمایا...... جو کئی دفعہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

برادرِ گرامی حکیم خالد اشرف حفظہ اللہ نے اب اس مفید کتابچہ کو دوبارہ مرتب فرمایا ہے...... طارق اکیڈمی ہمیشہ محترم بھائی خالد اشرف کی ممنون رہے گی جن کی علم دوستی کی بناء پر ہمیں بہت سی مفید کتابیں شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ انہیں تندرسی اور درازی عمر سے نوازے تاکہ اکیڈمی کا کاروان علم وادب ان سے فیض یاب ہوتا رہے۔ اور داعی وحدتِ امت اور مشہور ومعروف عالمِ دین مولانا مفتی محمد اسحاق حفظہ اللہ کے شہرہ آفاق رسالہ ''وحدتِ امت'' سے چند صفحات تبرکاً ہم اس کتاب میں شامل کر رہے ہیں (فجزاہ اللہ خیرا) تاکہ قارئین فرقہ پرستی کی زہریلی ہواؤں سے اپنے آپ اور دوسروں کو بچا سکیں۔ ...... آخر میں ہماری تمام مسلمان بھائیوں سے التجا ہے کہ قوم اور ملت کے وسیع تر مفاد میں اپنے اپنے مسلک کے اندر رہتے ہوئے دوسرے بھائیوں کو مسلمان سمجھیں اور ان سے تعلق رکھیں اور حق بات جہاں سے ملے اسی پر عمل کریں...... دین سے محبت کا سارا زور اسی لئے لگایا جاتا ہے تاکہ آخرت میں ذریعہ نجات بنے...... آخرت کا پہلا پڑاؤ قبر ہے اور قبر میں...... مَنْ رَبُّکَ، مَادِیْنُکَ کے بعد صرف ﴿مَنْ نَّبِیُّکَ﴾ تیرا نبی کون؟...... پوچھا جائے گا۔ کسی پیر، مرشد یا امام کی بابت سوال نہ ہوگا...... لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ رسول اللہؐ کے دامن سے وابستہ ہو جائیں جو بات اُسوہ حسنہ یا احادیث مبارکہ سے ملے اُسی پر عمل کریں، مومن کی یہی شان ہے کہ جب سچی بات مل جائے اُس پر عمل کرے۔ کیونکہ حق مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں سے ملے اُسے لے لے۔

.... اللہ کریم ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین

خاکسار
محمد سرور طارق (ڈائریکٹر)
طارق اکیڈمی، فیصل آباد

حرفِ اوّل

اسلام کوٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ خانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس کی مہتم بالشان عمارت کو پہلے آئمہ کے نام پر چار حصوں میں تقسیم کر کے وراثت سمجھ کر باہم بانٹ لیا پھر ہر حصہ کو ذیلی شاخوں چشتی، صابری، قادری، سہروردی وغیرہ میں شکست وریخت کی گئی۔ پھر شریعت وطریقت، قطب، ابدال، صوفیت کے نام سے بٹوارہ کیا گیا اور پھر سیاسی دھڑے بندیوں نے ایک ایک جماعت کو متعدد ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا۔

بد بختی یہ کہ ہر گروہ خود کو مکمل اسلام یا اس کا صحیح ترین نمائندہ یقین کرتا ہے اور دوسرے کو نہ صرف ناجائز اور غلط قرار دیتا ہے بلکہ دوسرے گروہ کو کفر کی تمام تر حدود سے آگے پہنچا کر دم لیتا ہے اور اب نوبت بایں جارسید کہ کسی امام (ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی بات نہیں) کسی خطیب اور کسی خود ساختہ سلسلے یا روحانی گروہ کے قائد کی بات سے اختلاف اور اِن سے قرآن و حدیث کے حوالہ سے بات کرنا بھی جرم سمجھا جاتا ہے............ اسلام کا اب صرف اب ایک لیبل رہ گیا اور بوتل میں ہر گروہ نے اپنی خود ساختہ یا اپنی پسند کی شریعت ڈال رکھی ہے۔

بعد ازاں بزرگوں کے مزاروں اور درباروں کے ناموں سے فرقوں، مسلکوں اور سلسلوں کی ایسی بہار آتی ہے کہ گنتی ناممکن ہوگئی...... فرقہ پرستی کے اس ناسور نے شجر اسلام کو ناقابل بیان نقصان پہنچایا! اس کے مضبوط تنے کو جسے خود داعی اسلام ﷺ اور ان کے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے مقدس خون سے توانا کیا تھا ہم نے فرقہ پرستی کا گھن لگا کر بے جان کر دیا۔

امت کا درد رکھنے والے بزرگ ہمیشہ فکر مند رہے کہ کسی طرح فرقہ پرستی کے ناسور سے قوم کو نجات ملے۔ انہی جذبات واحساسات کی بناء پر ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۵ء) میں علم و عمل کی ایک نامور شخصیت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر جامعہ تعلیمات اسلامیہ کی ایک تقریب میں ''وحدتِ امت'' اور'' امت ایک

نا قابل تقسیم وحدت'' کے دوہرے عنوان پر خطاب فرمایا۔ جسے بعد میں ''المنبر'' اور پھر کتابچہ کی صورت میں شائع کر دیا گیا۔

اس کتابچہ کو متعدد اداروں نے بھی شائع کیا لیکن کئی اداروں نے حسبِ پسند اس میں تحریف و ترمیم کر ڈالی، جسے حقیقت پسند اہلِ درد حلقوں نے ناپسند کیا۔ اب اسے اصلی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ صرف ذیلی عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

نئی ترتیب میں تاریخ اسلام کی اہم اور معتبر شخصیت امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا ایک اہم اقتباس شامل کر دیا ہے۔ جو اس عنوان سے متعلق ہے اور بڑے کام کی چیز ہے۔ خصوصاً علمائے کرام کیلئے اُس میں غور و فکر کے بہت پہلو ہیں۔

فیصل آباد کے خالصتاً صنعتی اور کاروباری شہر میں طارق اکیڈمی کا وجود ایک بڑی نعمت ہے ۔ طارق اکیڈمی عرصہ دراز سے اسلامی لٹریچر شائع کر رہی ہے جو کہ اسلامی طرزِ زندگی کے خواہش مندوں کیلئے کرداری سازی کا بہترین سرمایہ ہے۔ وحدتِ امت کی اشاعت کا اعزاز بھی طارق اکیڈمی ہی کو مل رہا ہے...... طارق اکیڈمی کے نگران پیکرِ علم و عرفان محترم محمد خالد سیف حفظہ اللہ اور برادرِ عزیز محمد سرور طارق خود فرقہ پرستی سے کوسوں دور اور اِس زہر کو ملک و قوم کیلئے ناسور سمجھتے ہوئے اس سے قبل بھی فرقہ پرستی سے نجات کیلئے دو عظیم کتابیں ...... ''فرقہ پرستی اور اسلام'' ...... ''دین میں بگاڑ کا سبب...... غلو'' شائع کر چکے ہیں۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و سلامتی اور عروجِ کمال سے ہمکنار کرے اور اپنے خزانۂ غیب سے اُنہیں وسائل اور توانائی عطا فرمائے کہ میڈیا کی خوفناک یلغار کو کتاب و سنت کے چشمۂ صافی سے تیار ہونے والے اسلامی لٹریچر سے کم کر سکیں ...... قارئین سے درخواست ہے کہ اکیڈمی کے متعلقین کیلئے دعا کرتے ہوئے مجھ ناچیز کیلئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضلِ خاص سے علم کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

خالد اشرف عفا اللہ عنہ
(علمی معاون طارق اکیڈمی)

ابتدائیہ

ہر کام کے لئے ایک وقت معین ہوتا ہے۔ کل امر مرھون باوقاتھا اس دور میں، جہاں تخریب چارسو ہلاکت پھیلائے ہے اور الحاد، زندقت، تجدد، اباحیت، فرقہ پرستی، امت میں تشتت وافتراق کی وبائیں زوروں پر ہیں۔ وہاں ''تعمیر'' بھی اپنے دامن کو پھیلا رہی ہے اور اذہان، حفاظتِ اسلام، اتباعِ کتاب وسنت، احترامِ سلف صالحین اور اتحادِ امت کے عنوانات پر متوجہ ہو رہے ہیں اور ان کی تفصیلات پیش کرنے والے اس لٹریچر کو کھنگالنے اور اس کی اشاعت میں مصروف ہیں جو امت کے صحت مند افراد اور بہی خواہانِ ملت نے ہر دور میں لکھا اور شائع کیا ہے اور اس لٹریچر نے امت کے اساسات کی خوب خوب حفاظت کی ہے۔

ان اہم ترین عنوانات میں سے ایک عنوان وہ ہے جس پر ہم خالصتہً توفیقِ الٰہی سے ایک عرصے سے بہی خواہانِ ملت کے حضور عرض معروض کر رہے ہیں اور وہ اس بھولی بسری حقیقت کو اجاگر کرنے میں مصروف ہے کہ یہ امت، ایک وحدت ہے جسے تقسیم کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

یہ پکار، سبھی اہلِ اخلاص کے زبان وقلم سے ہمیشہ سنی جاتی رہی ہے اور ہر دور میں درد مند قلوب نے امت کے تشتتِ وافتراق سے غمگین ہو کر اس صدائے دلنواز کو بلند کیا ہے کہ امت، پھر سے اس دورِ سعادت اور عہدِ فلاح کی جانب واپس لوٹے۔ جس عہد میں اگرچہ فقہی اور سیاسی اختلافات تھے اور معاشی ومعاشرتی امور میں متعدد طبقات کے نظریات کی بناء پر نہ کسی عوامی پارٹی کو منظم کیا اور نہ کسی فرقے کی بنیاد ڈالی۔ آج بھی ضرورت اسی وسعتِ ظرف اور جذبہ بہبودیِ ملت کی ہے کہ اختلافات کی حد تک اختلافات کو محدود رکھا جائے اور ان کو بنیاد بنا کر امت کو متعدد متصادم گروہوں میں تقسیم کرنے سے گریز کیا جائے۔

''امت کی وحدت'' ہمارا اہم ترین عنوان ہے اور ان مقاصد میں سے عزیز ترین

مقصد جس کی خاطر ہم ہر طرح کے ایثار کے لئے حاضر ہیں۔ تاہم قارئین سے یہ درخواست بے جا نہ ہو گی کہ وہ اس عنوان کے تحت شائع ہونے والے مضامین و مقالات کو زیادہ سے زیادہ حلقوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ وہ آخرت میں تو اس کا اجر اپنے رب سے پائیں گے ہی، دنیا میں بھی وہ تھوڑی سی کوشش کے بعد ہی یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ دعوتِ اتحادِ امت سے، اصلاحِ احوال میں بڑی مدد مل رہی ہے اور نو تعلیم یافتہ طبقات، جو اسلامی فرقوں کی باہمی مناقشت و منافرت کی وجہ سے، نفسِ اسلام ہی سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جوں جوں یہ منافرت ختم ہو گی، اسی نسبت سے ان تعلیم یافتہ حضرات کی اسلام سے دوری میں کمی واقع ہوتی جائے گی اور یہ بات کسی صاحبِ شعور مسلمان سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جس کام سے امت میں اتحاد کی فضاء پیدا ہو اور اسلام سے دور ہونے والے افراد اسلام کی جانب متوجہ ہوں، وہ کام کس قدر اہم اور اللہ ذوالجلال کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

اس کلمہ حق اور دعوتِ صدق کو اللہ رب العزت، شرفِ قبول عطا فرما رہے ہیں اور وہ اپنے ان بندوں کو، جو اس کے قرآن و دین کا علم ودیعت کئے گئے ہیں، اس کام پر مامور فرما رہے ہیں کہ وہ اس دورِ فساد اور عہدِ تشتت و افتراق میں اتحادِ امت کا علم اٹھائے شہر شہر ندا دیں اور بندگان اللہ کو دعوت دیں کہ افراط و تفریط کو خیر باد کہہ کر اختلافی مسائل میں وہی نقطہ نظر اختیار کریں جو بقول امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ:

> "اس امت کے ابتدائی چار سو سال میں رائج رہا ہے کہ پوری امت، اسلام کے اساس پر متحد تھی اور فقہی کلامی اور دوسرے مسائل میں اختلاف کی بناء پر اس نے تشتت و تفریق کی راہ اختیار نہیں کی تھی۔"

اس تعمیری اور اصلاحی دعوت کی توفیقِ الٰہی سے موفق ہو کر مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مدلل بھی فرمایا ہے اور اس کو ایک ایسے اسلوب سے بیان کیا ہے جو قلوب پر اثر کرتا ہے اور اذہان کا رخ پھیرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مخدومِ محترم مفتی صاحب کا زیرِ نظر مقالہ پیشِ ناظرین ہے اور ہم متوقع ہیں کہ احباب اسے بغور پڑھیں گے اور اس سے کما حقہ مستفید ہوں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(حضرت مولانا حکیم) عبدالرحیم اشرف (رحمۃ اللہ علیہ)

ایک تلخ حقیقت

چاروں اماموں میں افضل کون؟

مذہب کے نام سے کتنے جھگڑے بنالئے گئے ہیں، جن میں سے ہر جھگڑا فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْاُولٰی کی فرعونی صدا کا ٹھیک ٹھیک اعادہ ہے۔ یعنی اب سے پہلے فلاں گروہ جو گذر چکا ہے۔ حق پر تھا یا باطل پر؟ فلاں انسان نیک تھا یا بد۔ پھر اس میں بحثیں ہیں، لڑائیاں ہیں، فرقہ بندیاں ہیں...... گویا انسان کی نجات کے لئے کافی نہیں کہ خود وہ کیا ہے؟ اور کیا کرتا ہے؟ وہ اس فیصلے کا بھی ذمہ دار بنا دیا گیا ہے کہ اب سے پانچ سو برس پہلے کسی نے کیا کیا تھا؟ اور ایک ہزار برس پہلے کون کیسا تھا؟ پھر ہر فریق اس طرح حکم لگاتا ہے گویا خالق حقیقی کے وقت کا رجسٹر ابھی پڑھ کر اٹھا ہے۔

پچاس برس ہوئے (اب تقریباً 150 برس ہوگئے ہیں) شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ کی بستیاں صرف اس سے جلادی تھیں کہ ایک کہتا تھا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سب سے بڑے ولی ہیں، دوسرا کہتا تھا نہیں شیخ احمد رفاعیؒ...... ہندوستان میں بھی یہی حال ہے (آج کل پاکستان میں بھی یہی حالت ہے) کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوئے استفتاء آتے رہتے ہیں۔

.... ایک کہتا ہے بڑے پیر صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ ایک کہتا ہے مجدد الف ثانیؒ سے بڑھ کر کوئی بزرگ نہیں۔ نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟ ایک مرتبہ میرے جی میں آیا لکھ دوں، دونوں کے پیچھے نہیں............

فقہ کے مذاہب اربعہ جب مشخص و مدون ہوگئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہوگیا تو سوال پیدا ہوا۔ ان چاروں اماموں میں افضل کون ہے؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ یا حضرت امام شافعیؒ؟ اب بحث شروع ہوئی اور بحث نے جنگ وقتال کی شکل اختیار کی...... چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر حملہ کی سب سے پہلے ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے

سے ملی تھی۔ ایک فرقے نے دوسرے فرقے کی ضد میں آ کر بلاوا بھیجا اور شہر کے پھاٹک کھول دیئے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چل گئی تو اس سے نہ حنفی بچا نہ شافعی، فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْداً مَّفْعُولاً۔

شیعہ سنی کے اختلافات نے مسلمانوں کو دو مختلف امتوں میں متفرق کر دیا۔ لیکن اس تمام اختلافات کا ماحصل بھی کیا ہے؟ یہی کہ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولٰى اور تیرہ سو برس گزر گئے (اور اب 1425 برس گزر چکے ہیں) مگر اتنی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی کہ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسٰى (اس بات کا علم میرے پروردگار کے پاس نوشتے میں ہے میرا پروردگار ایسا نہیں کہ کھویا جائے یا بھول میں پڑ جائے) بہرحال یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کی تمام کاوشوں کے اندر وہی فرعون کی مجادلانہ روح کام کرتی ہے۔ (ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزادؒ)

قرآن مجید کی نظر میں فرقہ پرستی فرعون کی ایجاد ہے۔ فرعون عوام میں تفرقہ بازی اور گروہ بندی کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے اپنی جھوٹی خدائی کے بچاؤ کیلئے یہ ہتھکنڈے استعمال کئے۔ عوام کو ٹولیوں میں بانٹ رکھا تھا...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ (القصص)

آج مسلمانوں کی یہ فرقہ بندیاں اور گروہی اختلافات دراصل فرعونی ذہنیت کی ہی پیداوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فرقہ پرستی کی لعنت سے بچائے۔ آمین

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(اقبالؒ)

فرقہ بندی کے کرشمے

پاک و ہند کے فرقہ پرست اور مفاد پرست علماء نے فرقہ پرستی کا زہرا یکسپورٹ بھی کردیا، جس کے کرشمے ملاحظہ کریں۔

راٹھر ہام انگلینڈ کے قصبے میں پولیس نے ایک مسجد بند کردی، حکام نے بتایا کہ دو فرقوں کے مابین اس مسجد میں نماز ادا کرنے کے سلسلہ میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ چندروز بعد جھگڑے نے مسلح تصادم کی شکل اختیار کرلی جس میں چھ افراد زخمی ہو گئے اور پولیس نے آٹھ افراد کو گرفتار کرلیا۔" (روزنامہ نوائے وقت: ۱۸/اگست ۱۹۸۰ء)

"وارسٹر (ایک دوسری جگہ) مسجد کی ملکیت پر دو فرقوں کا جھگڑا اندوہناک ہے۔ تین برس کے فساد کے بعد حکومت نے مسجد پر تالا ڈال دیا ہے۔ کیونکہ مقامی مسلمان لیڈران کے وکلاء اور پولیس کی یہ متفقہ رائے ہے کہ دو متحارب فرقے ایک مسجد میں گزارہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ متعلقہ چیریٹی کمشنروں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ مسجد کی قیمت لگائیں اور ایک فرقے سے کہیں کہ وہ دوسرے کا حصہ خرید لے۔" (روزنامہ جنگ، ۱۵ اپریل ۱۹۸۵ء)

اس واقعہ پر روزنامہ "جنگ" لاہور نے 2 جون 1985ء کو اپنے اداریہ میں لکھا:

"فروعی اختلافات اور مذہبی گروہ بندی نے پاکستان میں جو گل کھلائے ہیں وہی کچھ کم نہیں تھے کہ اب بیرونی ممالک میں بھی بریلوی اور دیوبندی حضرات دست و گریباں ہوکر مذہب اسلام کے لئے تضحیک کا سامان پیدا کررہے ہیں۔ انگلستان کے جنوبی یارک شائر کے دو شہروں میں ان دونوں گروہوں کے درمیان تصادم کی خبریں آئی ہیں۔ اس تصادم میں ۴ افراد زخمی ہوئے بعض کو شدید چوٹیں آئیں اور انہیں ہسپتال داخل کرانا پڑا...... انتہا یہ ہے کہ بعض فرقہ پرست علماء انگلستان جا کر باقاعدہ مورچہ بندی کرتے اور اپنے اپنے مسلک کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ مخالفین کو طعن و تشنیع سے نوازنے میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ حضرات تبلیغ کے نام پر بیرونی دورے کرتے ہیں

لیکن وہاں جا کر مسلمانوں کے درمیان تفریق وانتشار کے بیج بوتے اور اسلام کو دوسروں کی نگاہوں میں رسوا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے شہر روتھرم کی مسجد کو حکومت نے محض اس لئے تالا لگا دیا تھا کہ اندیشہ نقضِ امن کے تحت ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔" اور علامہ اقبالؒ نے اس حالت زار کا کس افسوس سے ذکر فرمایا

کسے خبر کہ کتنے سفینے ڈبو چکی
فقیہہ و صوفی و ملا کی ناخوش اندیشی

اختلاف امت رحمت کیسے؟

اختلافات کو رحمت کہنے والے اکثر یہ حدیث پیش کرتے ہیں: " اختلاف امتی رحمة " لیکن یہ بے بنیاد، بلاسند اور من گھڑت ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے (الموضوعات الکبریٰ از ملا علی القاری، ص 84 حدیث 17 و دیگر کتب موضوعات)

دینِ اسلام ایسا دین ہے جو سراسر اتفاق، اتحاد، یک جہتی اور یگانگت کا درس دیتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اختلافِ امت کو رحمت قرار دیں۔

اختلافات کا وقوع ایک طبعی امر ہے لہٰذا دیگر مسائل کی طرح اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کا حل بھی قرآن مجید میں بتا دیا ہے، فرمایا: " اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، جو تم میں سے امیر ہو اس کی بھی اور اگر کسی بات میں تمہارے مابین اختلاف واقع ہو جائے تو اگر تم اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ (النساء: 59)

حضور اکرم ﷺ نے بھی اختلافات کا علاج یوں فرمایا: " تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گے پس تم میری اور میرے خلفائے راشدین، ہدایت یافتگان کی سنت لازم پکڑو میں دو چیزیں تم میں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تم ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے گمراہ نہ ہو گے (یعنی) اللہ کی کتاب اور میری سنت۔ (مستدرک حاکم وغیرہ)

وحدتِ اُمت کا نسخہ

از قلم: مولانا مفتی محمد اسحٰق حفظہ اللہ

دورِ حاضر میں ملّت اسلامیہ کو درپیش چیلنجوں کی نوعیت کثیر الجہات ہے، ٹیکنالوجی کے حوالہ سے پسماندگی ہمارا ایک ایسا روگ ہے۔ جس نے ہمیں بار بار ہزیمتوں اور رسوا کن شکستوں سے دوچار کیا ہے۔ پھر یہود و ہنود اور دیگر غیر مسلم طاقتوں کی سازشیں اور جارحتیں ہیں، جن کا مقصدِ حیات ملّت کے مادی وسائل پر تسلط اور مسلمانوں کی نئی نسل کا ثقافتی ارتداد ہے...... لیکن سب سے زیادہ تباہ کن اور شرمناک مظہر، مختلف حوالوں سے ہماری آپس میں محاذ آرائی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس گھر کو جو آگ لگی ہے تو گھر کے چراغ ہی سے لگی ہے۔ دشمن کا تو کام ہی دشمنی کرنا ہے اس سے کیا گلہ اور کیسی شکایت۔ غضب تو یہ ہے کہ ہم خود دشمن کی گیم کھیل رہے ہیں۔ یہاں پر بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے اور ہماری اپنی تلوار کا حال تو یہ ہے کہ بقول شاعر ؎

جب چلی اپنوں کی گردن پر چلی چوم لوں منہ میں تری تلوار کا

اس بیماری کا سب سے بڑا سبب کم علمی اور جہالت ہے وہ کونسی شے ہے جو اسلام اور کفر میں وجہ امتیاز ہے، جو آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ اعلان کرتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ ایمان نام ہے نبی ﷺ کو اللہ کا سچا پیغمبر تسلیم کر لینے کا یہ اقرار اسے دائرہ اسلام میں لے آتا ہے اور یہی اقرار اُسے کافر سے الگ کر دیتا ہے۔

اگر کوئی بدنصیب دائرہ اسلام کو پھلانگ کر اعلان کرتا ہے کہ وہ محمد کو رسول ﷺ نہیں مانتا۔ تو وہ اس انکار کی بناء پر کافر ٹھہرے گا۔ جو اقرار اسے دائرہ اسلام میں لایا تھا۔ اس کا انکار اسے اسلام سے خارج کر دے گا اور وہ مسلمان نہیں رہے گا۔

جو لوگ حضرت محمد ﷺ کو نبی آخر الزماں مانتے ہیں۔ میں ان سب کو اپنے دینی

بھائی تصور کرتا ہوں۔ میرے دل میں کسی کے خلاف بغض وعناد نہیں ہے۔ ہاں جن مسائل کو میں غلط سمجھتا ہوں ان کی علانیہ تردید کرتا ہوں۔ مگر کسی کو کافر نہیں کہتا۔ لوگ مساجد میں اذانیں دیتے ہیں۔ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ یہ سب مسلمان ہیں اور کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ جو لوگ کسی مسئلے میں اختلاف کی بنا پر کسی کو کافر گردانتے ہیں وہ دراصل اسلام کے دشمن ہیں۔ دین کے خادم نہیں۔ کفار کی ایجنٹی کرنے والے ایسے ملا یقیناً سزا کے مستحق ہیں...... البتہ جس روز کوئی بدبخت کہہ دے کہ میں عیسائی یا ہندو ہو گیا ہوں۔ اس روز اسے کافر کہیے۔ لیکن اگر وہ قرآن کو مانتا ہے، نبی کریم ﷺ کو سچا اور آخری نبی تسلیم کرتا ہے۔ حدیثوں پر بھی یقین رکھتا ہے، تو کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں اختلاف کی بناء پر وہ کافر نہیں ٹھہرے گا، ایک آدمی کسی حدیث کی صحت کے بارے میں شک کا اظہار کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرے راوی یا روایت کو صحیح سمجھتا ہے۔ تو ایسا شخص اسلام کا سچا خادم ہے۔ کیونکہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق حصولِ علم کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ ایک فرقہ ایک خاص حدیث کو صحیح سمجھتا ہے۔ دوسرا ضعیف سمجھ کر ردّ کر دیتا ہے۔ تو اُسے کفر اور اسلام کا جھگڑا کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی اسلام کو ردّ نہیں کر رہا ہوتا۔ آدمی کافر اس وقت ہو گا جب وہ پیغمبر ﷺ کا انکاری ہو گا۔ حدیث کی تفہیم کیلئے سعی کرنے والا غلطی کر سکتا ہے۔ لیکن کفر کے دائرے میں نہیں آتا لہٰذا بلاوجہ کسی کو کافر کہتے رہنا کسی طور پر درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

کوئی اعلیٰ حضرت احمد رضا خاںؒ کو نیک سمجھتا ہے۔ کوئی مولانا مودودیؒ کی خدمات کا معترف ہے۔ کوئی مولانا احمد علیؒ لاہوری کی عظمت کا قائل ہے۔ لیکن اگر کوئی ان کی دعوت کے بارے میں اختلاف کرتا ہے تو کیا وہ کافر ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ محمد رسولِ عربی ﷺ کو آخری نبی ماننے والے سب لوگ دائرہ اسلام میں ہیں۔ اس دائرے کو پھلانگنے والا بدبخت کفر کا مرتکب ہو گا۔ کوئی فرد جاہل گناہ گار اور غلط کار

ہوسکتا ہے مگر کافر نہیں۔

اس سلسلے میں پلّے باندھنے کی بات یہ ہے کہ قانون ساز صرف حکم دیتا ہے، قانون کی وجہ یا ضرورت کی وضاحت وہ خود نہیں کرتا بلکہ اس کے بارے میں ہم غور وفکر کرتے ہیں۔ ہماری سوچ غلط بھی ہوسکتی ہے اور دوسرے کو اس سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اس اختلاف کی بناء پر کوئی کافر نہیں ہو جاتا۔

حکم یہ ہے کہ جو شخص قرآن وحدیث کے مطابق نماز پڑھا رہا ہے اس کی اقتداء میں نماز ادا کرو اور اپنا اتحاد برقرار رکھو۔ ممکن ہے پڑھانے والے کی نماز قبول نہ ہو اور تمہاری ہو جائے یا پڑھانے والے کی تو قبول ہو جائے اور تمہاری نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ تو ظالم لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ اتحاد پارہ پارہ نہ ہو۔ ہمیں اللہ اور رسول ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ تمہاری نماز امام کی نماز کے ساتھ نتھی کر دی گئی ہے اور اس کی قبول نہ ہو تو تمہاری بھی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر آدمی کی نماز الگ دیکھتا ہے۔

مولانا یوسف بنوریؒ نے ''معارف السنن'' میں ایک واقعہ درج کیا ہے۔ ایک روز قاضی ابو عاصم حنفیؒ نمازِ مغرب کے لئے جا رہے تھے وہ القفال شافعیؒ کی مسجد میں داخل ہو گئے۔ جن سے مختلف مسائل کے بارے میں ان کے مباحث اور مناظرے ہوا کرتے تھے۔

القفال شافعیؒ نے قاضی ابو عاصم حنفیؒ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو مؤذن سے کہا کہ آج اذان ترجیع (جس میں کلمات کو واپس دہرایا جاتا ہے) کے بغیر حنفی طریقے سے دی جائے۔ اذان کے بعد علامہ القفال شافعی نے ابو عاصم حنفیؒ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی تو ابو عاصم حنفیؒ نے رفع یدین وغیرہ کے ساتھ شافعی طریقہ کے مطابق نماز پڑھائی...... ان واقعات سے علمائے سلف کی دین سے محبت اور اخلاص کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحدتِ امت کے کس قدر حامی تھے۔

اس قسم کا ایک واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے مقبرہ کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو دعائے قنوت (شافعی سارا سال فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے

ہیں) کو احتراماً ترک دیا اور کہا کہ کبھی ہم اہل عراق کے مسلک پر بھی عمل کرتے ہیں۔

ایک اور حدیثِ رسول ﷺ کے مطابق مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے چاند دیکھ لیا۔ مہینہ انتیس تاریخ کو ختم ہو گیا۔ لیکن دوسرے مسلمانوں نے چاند نہیں دیکھا۔ قاضی کو بھی اعتبار نہیں آیا اور اس نے حکم دیا کہ روزہ رکھو تو عید کا چاند اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود وحدت اُمّت کی خاطر آپ کو بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ روزہ رکھنا ہو گا۔ اس کے برعکس اگر روزہ افطار کرنے کا حکم دیا جائے تو افطار کرنا ہو گا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحٰی یوم تضحون

(سلسلة الاحاديث الصحيحة. للالبانی :۱/۲۲۴)

”جس دن دوسرے مسلمان روزہ رکھیں، تم بھی رکھو، اس وقت روزہ کھول دو جب دوسرے افطار کریں۔ جس روز لوگ قربانی کریں تم بھی کرو۔“

گویا اگر اسلامی حکومت نے روزہ رکھنے کا اعلان کر دیا ہے تو روزہ رکھو خواہ تم نے چاند اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو اور اس وقت روزہ کھول دو، جب دوسرے افطار کریں اور لوگوں کے ساتھ ہی قربانی کریں...... چنانچہ کئی دفعہ غلط دن حج ہو گیا اللہ سے امید رکھنی چاہیے کہ وہ حج اور قربانی کو قبول کر لے گا، اصل مقصد وحدت امت اور اطاعتِ خداوندی ہے، نبی اکرم ﷺ نے امت کو متحد رکھنے اور انتشار سے بچانے کے لئے اجتماعی حکم پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی، اجتماعی عبادتوں میں جمہور مسلمانوں کا ساتھ دینا۔ وحدتِ امت کو برقرار رکھنے کے لئے ناگزیر ہے۔

فقہی اختلافات کے سلسلہ میں مسلکِ اہلحدیث کے متبحر عالم حافظ محمد گوندلویؒ فروعی اختلافات کی حقیقت کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں............

”یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے اگر تبدیلی ممکن نہیں تو پھر یہ اختلاف کیسے ظہور پذیر ہوا جو آج ہم دیکھتے ہیں۔ مسلمان مختلف مکاتب فکر کے پیرو ہیں۔ اسی مثلاً نماز ہی کو دیکھ لیں۔ اس میں کوئی آمین بالجہر کا قائل ہے تو کوئی آہستہ آمین کہنے پر مصر

ہے۔ کسی نے حالتِ نماز میں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے ہیں کسی نے زیرِ ناف ہاتھ باندھنا ضروری قرار دے رکھا ہے اور کسی نے سرے سے باندھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ کچھ ایسے ہیں کہ رفع الیدین کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سارے کام فعلی ہیں اور سنت سے ثابت ہیں۔ باہمی فقہی اختلافات کے باوجود کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ نماز میں ہاتھ باندھنا فرض ہے اور پھر سنت بھی اس قسم کی ہے کہ اس کے ترک سے نماز ہو جاتی ہے۔ انور شاہ صاحب نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح اذان، اقامت کے مسائل ہیں ان تمام مسائل میں اختلاف جواز کا نہیں بلکہ اختیار کا ہے اور دونوں طرح جائز ہے کوئی اس طرح کرے اور کوئی اُس طرح کرے۔ (درسِ صحیح بخاری: ص۸۱، مرتبہ منیر احمد سلفی)

مناظرِ اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ سے کسی نے پوچھا ''کیا آپ مقلدین مذاہب اربعہ کو عموماً اور حنفیہ کو خصوصاً کافر کہتے ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج جانتے ہیں اور کیا ان کے کفر کے متعلق آپ نے کوئی تحریر بھی شائع کی ہے۔'' مولانا نے جواب میں لکھا ''مجھے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شرم آتی ہے کہ یہ سوال مجھ جیسے شخص سے کیوں پوچھا گیا جس نے کبھی کسی کے فتویٰ کفر پر دستخط نہیں کئے۔ کیونکہ میرا اس باب میں وہی مسلک ہے جو امام المحتاطین امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ امام موصوف نے فرمایا...... کتاب اللہ کے مقابلے میں میری بات کو چھوڑ دو۔ حدیث رسول کے مقابلے میں میری بات کو چھوڑ دو۔ (روضۃ العلماء)

ضرورت اس امر کی ہے کہ وحدتِ امّت کی خاطر ہم ایک دوسرے کی مساجد میں مل کر نماز ادا کریں۔ جنازوں میں شرکت کریں، آپس میں رشتے ناتے کریں تاکہ بُعد دور ہو اور امت مسلمہ ایک جسدِ واحد بن جائے۔ اسی میں ہم سب کا بھلا ہے۔ یہی اسلام کا پیغام ہے۔ بصورت دیگر دنیا بھر میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وحدتِ امت

مفتی محمد شفیعؒ

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الّذین اصطفٰی

میرے بزرگو اور دوستو! یہ امر ایک حقیقت ہے۔ اس میں کسی تصنع کا دخل نہیں کہ میں ابتداء عمر سے نہ کبھی کوئی خطیب رہا' نہ واعظ۔ نہ بڑے مجمعوں کو خطاب کرنے کا عادی۔ میری پوری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری یا پھر کچھ کاغذ کالے کرنے میں۔ عام مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق مختلف رسائل پر تصنیف کا سلسلہ رہا اور میرے بزرگوں نے اپنے حسنِ ظن سے خدمتِ فتویٰ میرے سپرد فرما دی۔ عمر کا ایک بہت بڑا حصہ اس میں صرف ہوا۔

ہمارے محترم حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے اپنے حسنِ ظن اور کرم فرمائی سے مجھے یہاں لا بٹھایا اور جو عنوان مجھے کلام کرنے کے لئے حوالہ فرمایا وہ جس طرح اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایسا یقینی اور واضح ہے کہ اس میں دو رائے ہونے کی گنجائش نہیں' اسی طرح ہمارے معاشرہ میں اس کا وجود ایسا کمیاب ہے کہ اپنے معاشرہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس موضوع پر زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

مجھے عنوان یہ دیا گیا ہے کہ ''امت اسلامیہ ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔'' یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح اور ناقابلِ انکار حقیقت ضرور ہے مگر ہمارے حالات و واقعات دنیا کو اس کے خلاف یہ دکھلا رہے ہیں کہ یہ امت ایک ناقابل اجتماع تشتت ہے۔ اپنے حالات و خصوصیاتِ وقت سے صرفِ نظر کر کے مسئلہ کے دلائل پر بحث

ایک نرا فلسفہ ہے جس سے ہماری کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی اس لئے مجھے اس مسئلہ کے مثبت پہلو پر کچھ کلام کرنے سے زیادہ اس کے منفی پہلو ''افراق وتشتت'' اور اس کے اسباب پر غور اور اس کے علاج کی فکر کرنا ہے۔

جہاں تک اسلام کی دعوتِ اتحاد اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ کل انسانوں کو ایک قوم' ایک خاندان ایک برادری قرار دینے کا معاملہ ہے' وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مسلمان پر مخفی ہو۔ قرآن کریم کے واضح الفاظ خَلَقَكُم مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ میں تمام بنی نوع و بنی آدم انسان کو اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ میں مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا گیا۔

حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں رسول کریم ﷺ نے جو اس وقت کے مسلمانوں کے سب سے بڑے اجتماع میں ہدایتی اصول ارشاد فرمائے ان میں اس بات کو بڑی اہمیت سے ذکر فرمایا کہ

''اسلام میں کالے گورے' عربی عجمی وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں۔
سب ایک ماں باپ سے پیدا ہونے والے افراد ہیں۔''

اس ارشاد کے ذریعہ جاہلانہ وحدتیں جو نسب اور خاندان کی بنیاد پر یا وطن اور رنگ اور زبان کی بنیاد پر لوگوں نے قائم کر لی تھیں' ان سب کے بتوں کو توڑ کر صرف عبادتِ خالق اور دین کی وحدت کو قائم فرمایا۔

یہی وہ حقیقی وحدت ہے جو مشرق و مغرب کے تمام بنی آدم اور نوعِ انسان کے تمام افراد کو متحد کر کے ایک قوم' ایک برادری بنا سکتی ہے اور سعی و عمل کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے۔ نسب اور وطن یا رنگ اور زبان کی بنیاد پر' جو وحدتیں اہلِ جاہلیت نے قائم کر لی تھیں اور آج کی مزعومہ روشن خیالی کے دور میں پھر انہی کی پرستش کی جا رہی ہے۔ ان وحدتوں کی بنیاد پر ہی انسانوں کے طبقات میں تفرقہ ہے

اور تفرقہ بھی ایسا جس کو کسی عمل اور کوشش سے مٹایا نہیں جا سکتا' جو کالا ہے وہ گورا نہیں بن سکتا' جو نسب میں سید یا شیخ نہیں۔ وہ کسی سعی و عمل سے شیخ یا سید نہیں بن سکتا۔

اسلام نے ایک ایسی وحدت کی طرف دعوت دی جس میں تمام انسانی افراد بلا کسی مشقت کے شریک ہو سکتے ہیں اور یہ وحدت چونکہ ایک مالکِ حقیقی وحدہٗ لا شریک لہٗ کے تعلق اور اس کی اطاعت سے وابستہ ہے اس لئے بلاشبہ ناقابلِ تقسیم ہے۔

جو عنوان اس مجلس میں مجھے دیا گیا ہے اس کے مثبت پہلو پر تو اتنی گزارش بھی کافی سمجھتا ہوں' مگر اب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ ایک عقیدہ' اور نظریہ ہے جو زبانوں پر جاری اور کتابوں میں لکھا ہوا ہے' لیکن جب اپنے گرد و پیش ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب کے انسانوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس کے برعکس یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ ملت ایک تفرقہ ہے جس میں اجتماع کا امکان دور دور نہیں' وہ ملت جس نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک اللہ کی اطاعت پر جمع کر کے ایک برادری بنانے کی دعوت دی تھی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (سورہ النسآء)

اور پھر مسلسل دعوت اور افہام و تفہیم کے باوجود جو لوگ اس برادری سے کٹ گئے' ان کو ایک جداگانہ قوم قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں کو حسبِ دستور ایک قوم' ایک ملت' ایک برادری بنا کر بنیان مرصوص سیسہ پلائی ہوئی ناقابل شکست دیوار بنایا تھا' آج وہ ملت ہی طرح طرح کے تفرقوں میں مبتلا' ایک دوسرے سے بیزار اور برسرِ پیکار نظر آتی ہے' اس میں سیاسی پارٹیوں کے جھگڑے' نسبتی برادریوں کی تفریق' پیشوں اور کاروبار کی تقسیم' امیر غریب کا تفرقہ تو بنیادِ منافرت تھی ہی' زیادہ افسوس اس کا ہے کہ دین اور عبادتِ خالق غیروں کو اپنا بنانے اور نسبی' نسلی' وطنی اور لسانی تفرقوں کو مٹانے ہی کا نسخہ اکسیر تھا۔ آج وہ بھی ہمارے لئے جنگ و جدل اور عداوتوں اور

جھگڑوں کا ذریعہ بن گیا۔ جس نے پوری ملت کو دینی و دنیوی ہر اعتبار سے ہلاکت کے غار میں دھکیل دیا اور اس سے بچنے کا کوئی علاج نظر نہیں آ رہا ہماری ہر تنظیم تفریق اور اجتماعِ افتراق کا سامان بہم پہنچاتا ہے اور یہی وہ روگ ہے جس نے ملتِ اسلامیہ کو اس عظیم الشان عددی اکثریت کے باوجود پسماندہ بنایا ہوا ہے' ہر قوم ہمیں اپنے میں جذب کرنے کی طمع رکھتی ہے۔

مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں عقائد سے لے کر اعمال و اخلاق تک ثقافت و معاشرت سے لے کر معاملات و اقتصادیات تک ہر قوم کی یلغار ہے' ایک طرف حکومت و اقتدار اور اقتصادیات و تجارت میں ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف ملحدانہ تبیسات کے ذریعہ ان کے عقائد و نظریات کو متزلزل اور ان کی خالق پرستی کے اصول کو نئی تعلیم و تہذیب اور خیر خواہی اور ہمدردی کے عنوان سے ہوا پرستی میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ہمارے عوام انگریز کے ڈیڑھ سو سالہ اقتدار میں مختلف تدبیروں کے ذریعہ علمِ دین سے محروم اور حقائق سے نا آشنا کر دیئے گئے' اب گھر کی دولت علم و فکر گنوا کر جو کچھ دوسروں کی طرف سے آتا ہے۔ اسی کو سرمایۂ سعادت سمجھنے لگے۔ خصوصاً جبکہ اس تعلیم و تہذیب کے سایہ میں نفس کی بے لگام خواہشات اور عیش و عشرت کا میدان بھی کھلا نظر آتا ہے اور ہمارے علماءِ اہلِ فکر و نظر اپنے جزوی اور فروعی اختلافات اور بہت سے غیر ضروری مسائل میں ایسے الجھ گئے کہ ان کو اسلام کی سرحدوں پر ہونے والی یلغار کی گویا خبر ہی نہیں۔

اسبابِ مرض اور علاج

آج کی اس مجلس میں ملت کا درد رکھنے والے علماء' فضلاء اور مفکرین کا اجتماع نظر آتا ہے' دل چاہتا ہے کہ ملت کے اس مرض کے اسباب اور اس کے علاج پر

کچھ غور کیا جائے۔

امیر! جمع ہیں احباب' دردِ دل کہہ لے!
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے [1]

سب سے پہلے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نظری مسائل میں آراء کا اختلاف نہ مضر ہے نہ اس کے مٹانے کی ضرورت ہے' نہ مٹایا جا سکتا ہے۔ اختلاف رائے نہ وحدتِ اسلامی کے منافی ہے نہ کسی کے لئے مضر' اختلافِ رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے، جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا نہ رہ سکتا ہے، کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاق رائے صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے' ایک یہ کہ ان میں کوئی سوجھ بوجھ والا انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو' اس لئے ایسے مجمع میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے سب اس پر اس لئے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت ہی نہیں' دوسرے اس صورت میں مکمل اتفاق رائے ہو سکتا ہے کہ مجمع کے لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط اور مضر جانتے ہوں محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف کا اظہار نہ کریں۔

---

[1] امیر جمع ہیں احباب: یہ ''احباب'' کون تھے؟ ماضی کے ان لمحات کا نقشہ جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ نہ وہ لمحات واپس آ سکیں گے نہ ہی ایسا منظر پھر کبھی قائم ہو گا۔ گو آج بھی اہل علم وفکر کی نظر کی ایسی کمی نہیں کہ سنسان جنگل کا سا ہو طاری ہو، لیکن وہ بات بھی نہیں جو کل دکھائی دے رہی تھی۔ اندازہ فرمائیں جہاں کسی ایک ہی مجلس میں سید ابوبکر غزنوی، مفتی محمد شفیع، سید مولا بخش کوموی، صوفی محمد عبداللہ، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا محمد عبداللہ (ادارہ علوم اثریہ) حکیم محمد عبداللہ روڑدی، حکیم محمد عبداللہ نصر رحمہم اللہ اور مولانا عبدالغفار حسن حفظہ اللہ اور خود میزبان، اباجی محترم مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ جمع ہوں اس مجمع کی کیفیت کیا ہو گی۔ واقعی۔

پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے! (خالد اشرف)

اور جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی وہاں یہ ممکن نہیں کہ ان میں اختلاف رائے نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف رائے عقل و دیانت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر حالات و معاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے تو اختلاف رائے اگر اپنی حدود کے اندر رہے وہ کبھی کسی قوم و جماعت کے لئے مضر نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسلام میں مشورہ کی تکریم اور تاکید فرمانے کا یہی منشاء ہے کہ معاملہ کے متعلق مختلف پہلو اور مختلف آراء سامنے آ جائیں تو فیصلہ بصیرت کے ساتھ کیا جا سکے۔ اگر اختلاف رائے مذموم سمجھا جائے تو مشورہ کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

صحابہ وتابعینؒ میں اختلاف رائے اور اُس کا درجہ

انتظامی اور تجرباتی امور میں تو اختلاف رائے خود رسول کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں آپ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفاء راشدینؓ اور عام صحابہ کرامؓ کے عہد میں امورِ انتظامیہ کے علاوہ جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل پیش آئے، جن کا قرآن وحدیث میں صراحۃً ذکر نہ تھا یا قرآن کی ایک آیت کا دوسری آیت سے یا ایک حدیث کا دوسری حدیث سے بظاہر تعارض نظر آیا اور ان کو قرآن وسنت کی نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کرنے اور شرعی مسائل کے استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا اور ان میں اختلاف رائے ہوا جس کا ہونا عقل و دیانت کی بناء پر ناگزیر تھا۔

اذان اور نماز جیسی عبادتیں جو دن میں پانچ مرتبہ میناروں اور مسجدوں میں ادا کی جاتی ہیں۔ ان کی بھی جزوی کیفیات میں اس مقدس گروہ کے افراد میں اختلاف نظر آتا ہے اور اس کے اختلاف رائے پر باہمی بحث ومباحثہ میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔

ایسے ہی غیر منصوص یا مبہم معاملات حلال وحرام، جائز وناجائز میں بھی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں' پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد حضرات وتابعین ؒ کا یہ عمل بھی ہر اہلِ علم کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی جماعت کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار کر لیتی تھی اور کوئی ان کے بالمقابل دوسری جماعت دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کرتی تھی، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین ؒ کے اس پورے خیر القرون میں اس کے بعد ائمہ مجتہدین ؒ اور ان کے پیروؤں میں کہیں ایک واقعہ بھی اس کا سننے میں نہیں آیا کہ ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق کہتے ہوں یا کوئی مخالف فرقہ اور گروہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء کرنے سے روکتے ہوں یا کوئی مسجد میں آنے والا لوگوں سے یہ پوچھ رہا ہو کہ یہاں کے امام اور مقتدیوں کا اذان و اقامت کے صیغوں، میں قرأت فاتحہ، رفع یدین وغیرہ میں کیا مسلک ہے۔ ان اختلافات کی بناء پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدل یا سب وشتم' توہین' استہزاء اور فقرہ بازی کا تو ان مقدس زمانوں میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

امام ابن عبدالبر قرطبی ؒ نے اپنی کتاب '' جامع بیان العلم '' میں سلف کے باہمی اختلافات کا حال الفاظِ ذیل میں بیان کیا ہے۔

عن یحیٰ بن سعید قال ما برح اھل الفتویٰ یفتون فیحل ھذا و یحرّم ھذا فلا یری المحرم المحل ھلک لتحلیلة و لا یری المحله ان المحرم ھلک لتحریمه

(جامع بیان العلم : ص ۸۰)

'' یحیٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہلِ فتویٰ فتوے دیتے رہے۔ ایک شخص غیر منصوص احکام میں' ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے دوسرا حرام کہتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ حرام کا فتویٰ دینے والا ہلاک یا گمراہ ہو گیا۔''

اسی کتاب میں نقل کیا ہے کہ:

"حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فقیہہِ مدینہ حضرت قاسم بن محمدؒ سے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں آراء میں سے آپ جس پر عمل کر لیں کافی ہے، کیونکہ دونوں طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا اسوہ موجود ہے۔" (جامع بیان العلم) [1]

ایک شبہ اور جواب

یہاں اصولِ دین اور اسبابِ اختلاف سے ناواقف لوگوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شریعت اسلام میں ایک چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو اور جائز بھی ہو' ناجائز بھی ہو۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہو گی پھر دونوں جانب کا یکساں احترام کیسے باقی رہ سکتا ہے، جس کو ایک آدمی غلط سمجھتا ہے اس کو غلط کہنا عین دیانت ہے۔

جواب یہ ہے کہ کلام، مطلق حلال و حرام اور ناجائز و ناجائز میں نہیں، کیونکہ قرآن و سنت کے منصوصات اور تصریحات کے اعتبار سے کچھ چیزیں واضح طور پر حرام ہیں' جیسے سود' شراب' جوا' رشوت وغیرہ، ان میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں اور نہ سلف صالحین کا ان میں کہیں اختلاف ہو سکتا تھا' اور ان میں اختلاف کرنا تو دین کے بینات اور واضح نصوص کا انکار کرنا بہ اتفاق امّت گمراہی اور الحاد ہے اور جو ایسا کرے اس سے بیزاری اور برأت کا اعلان کرنا عین تقاضائے ایمان ہے' اس میں رواداری ممنوع ہے۔

---

[1] جامع بیان العلم سے ایک اہم اقتباس اس کتاب کے آخر میں دے رہے ہیں جو اہل علم و تدبر کے لئے بالخصوص اور عوام الناس کے لئے بالعموم قابل توجہ ہے۔ (خالد اشرف)

یہ رواداری کی تلقین اور اختلاف رائے کے باوجود اپنے مخالف رائے کا احترام صرف ایسے مسائل میں ہے جو یا تو قران وسنت میں صراحتہً مذکور نہیں یا مذکور ہیں مگر ایسے اجمال وابہام کے ساتھ کہ ان کی تشریح وتفسیر کے بغیر ان پر عمل نہیں ہوسکتا یا دو آیتوں یا دو روایتوں میں بظاہر کچھ تعارض نظر آتا ہے ان سب صورتوں میں مجتہد عالم کو قرآن وسنت کے نصوص میں مقدور بھر غور وفکر کر کے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کا منشاء اور مفہوم کیا ہے اور اس سے کیا احکام نکلتے ہیں' اس صورت میں ممکن ہے کہ ایک عالم مجتہد اصولِ اجتہاد پر پہنچے کہ فلاں کام جائز ہے اور دوسرا عالم مجتہد ان ہی اصولوں میں پورا غور وفکر کر کے اس کے ناجائز ہونے کو صحیح سمجھے۔ ایسی صورت میں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر وثواب کے مستحق ہیں کسی پر کوئی عتاب نہیں۔ جس کی رائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہے' اس کو دوہرا اجر وثواب اور جس کی صحیح نہیں اس کو ایک اجر ملے گا۔ اسی سے بعض اہلِ علم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اجتہادی اختلافات میں دونوں متضاد قول حق وصحیح ہوتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اللہ بے نیاز ہیں' تمام احکام عبادات و معالات سے' اللہ کا مقصود کوئی خاص کام نہیں بلکہ بندوں کی اطاعت شعاری کا امتحان ہے۔ جب دونوں نے اپنی اپنی غور وفکر اور قوتِ اجتہاد شرائط کے ساتھ خرچ کر لی تو دونوں اپنا فرض ادا کر چکے دونوں صحیح جواب ہیں' مگر جمہور امت اور ائمہ مجتہدین کی تحقیق یہی ہے کہ اللہ کے علم میں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک حق وصحیح ہوتا ہے تو جو لوگ اپنے اجتہاد سے اس حق کو پالیں وہ ہر حیثیت سے کامیاب اور دوہرے اجر کے مستحق ہیں اور جو مقدور بھر کوشش کے اس حد تک نہ پہنچے تو معذور ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں بلکہ ان کے سعی وعمل کا ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے۔

حنفیت کی ترجیح ثابت کرنے کے لئے ساری عمر ضائع کر دی

ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کر دوں جو اہم بھی ہے اور

برکت خیز بھی قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی
حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب ؒ بھی اس میں شرکت فرمایا
کرتے تھے' ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے' میں بھی آپ کے
ساتھ تھا ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا
کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں' میں نے پوچھا
حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے
ہو' عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں' دین
کی اشاعت میں گزری ہے' ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں'
مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمتِ دین میں لگے
ہوئے ہیں' آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی!

فرمایا:۔ میں تمہیں صحیح کہتا ہوں' عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا' حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا:۔ ہماری عمر کا' ہماری تقریروں کا' ہماری ساری کدوکاوش کا
خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلک پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں،
امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ کے
مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں' یہ رہا ہے محور، ہماری
کوششوں کا' تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابوحنیفہؒ
ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں' ان کو
اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا'
وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔اور امام شافعیؒ مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور

دوسرے مسالک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو "صواب محتمل الخطاء" (درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو "خطاء محتمل الصواب" (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں' ان تمام بحثوں' تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا:۔

"ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کونسا مسلک صواب تھا اور کون سا خطاء' اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہوسکتا' دنیا میں بھی ہم' تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح' یا یہ کہ یہ صحیح ہے' لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو' دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی' برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔"

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے۔

"اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہ کو نہ مالک کو نہ احمد بن حنبل کو' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیتا ہے' جنہوں نے نور ہدایت چارسو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں

گزاریں' اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدانِ محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس یہ نہیں ہوگا۔"

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں' نہ محشر میں' اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی' مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں' جن کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے' جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی' آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی، یہ ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے و اغیار ان کے چہرے مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا وہ پھیل رہے ہیں' گمراہی پھیل رہی ہے' الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے' حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے' لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔"

سلف صالحین میں اختلاف ہو تو' لوگوں کو کیا کرنا چاہئے

ایسے ہی اختلاف کے متعلق جس میں صحابہ کرام ﷺ کی دو رائیں ہوں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔

"احد القولين خطاء و المأثم فيه موضوع"

(جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ ص ۸۳ ج ۲)

''متضاد اقوال میں سے ایک خطأ ہے مگر اس خطا کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے۔''

اور امام مالکؒ سے صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔

خطأٌ و صواب فانظر فی ذالک. (جامع بیان العلم)

''ان میں بعض خطاء ہیں بعض صواب و صحیح تو عمل کرنے والے اہل اجتہاد کو غور کر کے کوئی جانب متعین کرنا چاہیئے۔''

امام مالکؒ نے اپنے اس ارشاد میں جس طرح یہ واضح کر دیا کہ اختلاف اجتہادی میں ایک جانب صواب و صحیح اور دوسری جانب خطا ہوتی ہے دونوں متضاد چیزیں صواب نہیں ہوتیں، اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس اختلاف خطاء دونوں میں باہم جھگڑا اور جدال جائز نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جس کو خطاء پر سمجھتا ہے اس کو نرمی اور خیر خواہی سے خطاء پر متنبہ کر دے۔

پھر وہ قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت کرے، جدال اور جھگڑا یا بدگوئی نہ کرے۔ حضرت امامؒ کے ارشاد کا پورا متن یہ ہے:۔

کان مالک یقول المراء و الجدال فی العلم یذهب بنور العلم من قلب العبد. و قیل له دجلٌ له علم بالسنة فهو لجادل عنها قال و لکن لیخبر بالسنه فِانْ قبل منه والاّ سکت. (اوجز المسالک شرح موطا مالک ص ۱۵ ج ۱)

''حضرت امامؒ نے فرمایا کہ علم میں جھگڑا اور جدال نور علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم حاصل ہے کیا وہ حفاظتِ سنت کے لئے جدال کر سکتا

ہے۔ فرمایا کہ نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ
کر دے پھر وہ قبول کرے تو بہتر ہے ورنہ سکوت اختیار کرے
نزاع وجدال سے پرہیز کرے۔''

محمد بن عبدالرحمٰن صیرنیؒ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ باہم مختلف ہوں تو کیا ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم ان میں غور وفکر کر کے یہ فیصلہ کریں کہ انہیں صحیح صواب کس کا قول ہے تو فرمایا:۔

لا یجوّز النظر بین اصحاب رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے اختلاف میں لوگوں کو غور وفکر ہی نہ کرنا چاہئے''

صیرنیؒ نے کہا کہ پھر عمل کس کے قول پر اور کس طرح کریں۔

تقلّد ایھم شئت (جامع بیان العلم ص ۸۳ ج ۲)

''ان میں سے جس کا جی چاہے اتباع کر لیجئے۔ یہی کافی ہے۔''

ائمہ مجتہدین کے ان اقوال میں ابوحنیفہ اور مالک رحمھم اللہ کا مسلک تو یہ ہوا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہم کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو بعد کے فقہا کو چاہئے کہ دلائل میں غور کر کے جس کا قول سنت سے زیادہ قریب سمجھیں اس کو اختیار کر لیں اور امام احمدؒ کے نزدیک اس کی بھی ضرورت نہیں، دونوں طرف جب صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں تو جس کا قول چاہے اختیار کر سکتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ایک مسئلہ میں باہمی اختلاف ہو رہا تھا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سنا تو غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ افسوس رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایسے دو شخص باہم جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں۔ پھر ان دونوں کے اختلاف کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ:۔

صدق اُبیّ رضی اللہ عنہ ولم یاْل ابن مسعود رضی اللہ عنہ

''یعنی صحیح بات تو ابی ابن کعب کی ہے، مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعود نے بھی نہیں کی۔''

پھر فرمایا کہ مگر میں آئندہ ایسے مسائل میں جھگڑا کرتا ہوا کسی کو نہ دیکھوں' ورنہ کڑی سزا دوں گا۔ (جامع العلم ص۸۴ ج۲)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اجتہادی مسائل واختلافات میں ایک قول صواب وصحیح ہوتا ہے اور دوسرا اگرچہ صواب نہیں' مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں خلاف واختلاف پر زیادہ زور دینا مقتدایانِ اہلِ علم کے لئے مناسب نہیں، جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع وجدال کے خطرات پیدا ہوجائیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مفصل کلام کو نقل کرکے ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کے اس کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ مجتہدین کو آپ میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہ کرنا چاہئے یعنی ان میں کوئی دوسرے کو یہ نہ کہے کہ آپ غلطی پر ہیں۔ (جامع بیان العلم ص۸۳ ج۲) وجہ یہ ہے کہ ایسے اجتہادی مسائل میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے قول کو یقینی طور پر صواب وصحیح اور دوسرے کے قول کو یقینی طور پر خطاء وغلط کہہ سکے۔ اجتہاد اور پورے غور وفکر کے بعد بھی جو رائے قائم کی ہے اس کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کا کسی کو حق نہیں کہ رائے صحیح وصواب ہے مگر احتمال خطا اور غلطی کا بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے کا قول صحیح وصواب ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتہادی اختلافات میں جمہور علماء کے نزدیک علم الٰہی کے اعتبار سے دو مختلف آراء میں سے حق تو کوئی ایک ہی ہوتی ہے مگر اسکا متعین کرنا کہ ان

میں سے حق کیا ہے۔ اس کا یقینی ذریعہ کسی کے پاس نہیں، دونوں طرف خطاء وصواب کا احتمال دائر ہے، مجتہد اپنے غور وفکر سے کسی ایک جانب کو راجح قرار دے کر عمل کے لئے اختیار کر لیتا ہے۔

اجتہادی مسائل میں افراط

استاذ الاساتذہ سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اجتہادی مسائل اور ان کے اختلاف جن میں ہم اور عام اہل علم الجھتے رہتے ہیں اور علم کا پورا زور اس پر خرچ کرتے ہیں، ان میں صحیح و غلط کا فیصلہ دنیا میں تو کیا ہوتا، میرا گمان تو یہ ہے کہ محشر میں بھی اس کا اعلان نہیں ہوگا کیونکہ رب کریم نے جب دنیا میں کسی امام مجتہد کو باوجود خطا ہونے کے ایک اجر وثواب سے نوازا ہے اور ان کی خطاء پر پردہ ڈالا ہے تو اس کریم الکرما کی رحمت سے بہت بعید ہے کہ وہ محشر میں اپنے ان مقبولان بارگاہ میں سے کسی کی خطا کا اعلان کر کے اس کو رسوا کریں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جن مسائل میں صحابہ ؓ وتابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کا نظری اختلاف ہوا ہے ان کا قطعی فیصلہ نہ یہاں ہوگا نہ آخرت میں، کیونکہ عمل کرنے والوں کے لئے ان میں سے ہر ایک کی رائے پر اپنی ترجیح کے مطابق عمل کر لیا وہ فرض سے سبکدوش ہو گیا اس کو باجماع امت تارک فرض نہیں کہا جا سکتا۔ ان مسائل میں کوئی عالم کتنی ہی تحقیقات کرے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کی تحقیق کو یقینی حق وصواب کہا جائے اور اس کے مقابل کو باطل قرار دیا جائے، امامِ حدیث حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ ؓ وتابعینؒ کا اختلاف ہو گیا وہ اختلاف قیامت تک مٹایا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اس اختلاف کے مٹانے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان میں سے ایک گروہ کو قطعی طور پر حق پر اور دوسرے کو یقینی

باطل قرار دیا جائے اور یہ ممکن نہیں ہے۔

ائمہ مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی

مذکور الصدر تصریحات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کا اختلاف ہو اس کی کوئی جانب شرعی حیثیت سے منکر نہیں کہلائے گی کیونکہ دونوں آراء کی بنیاد قرآن وسنت اور ان کے مسلمہ اصول پر ہے اس لئے دونوں جانبیں داخلِ معروف ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہا جا سکتا ہے اس لئے ان مسائل مجتہد فیہا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ غیر منکر پر نکیر کرنا خود ایک منکر ہے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کا بے شمار مسائل میں جواز وعدم جواز اور حرمت وحلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو جیسے منکرات پر کی جاتی ہے یا ایک دوسرے کو یا اس کے متبعین کو گمراہی یا فسق وفجور کی طرف منسوب کرتا ہو یا اس کو ترکِ وظیفہ یا ارتکابِ حرام کا مجرم قرار دیتا ہو۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے امام شافعیؒ کا جو قول نقل کیا ہے وہ بھی اس پر شاہد ہے، جس میں فرمایا ہے کہ ''ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کا تخطیہ یعنی اس کو خطاوار مجرم کہنا جائز نہیں۔''

شرائط اجتہاد

حضرت امام شافعیؒ نے جہاں مجتہدین کے آپس میں ایک دوسرے کے تخطیہ کو نادرست قرار دیا ہے وہیں اسکی معقول وجہ اور ایک شرط کا بھی ذکر کیا ہے ان کی عبارت کا متن یہ ہے:۔

و فی هذا من قول الشافعیؒ دلیل علٰی ترک تخطئة المجتهدین بعضهم لبعض اذ کل واحد منهم قد ادّی ما

كلّف باجتهادہ اذا كان ممّن اجتمعت فيه آلة القياس و كان ممن لهٗ ان يجتهد و لقييس (جامع بیان العلم: ص ۷۳، ج ۲)

''امام شافعیؒ کے کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کو خطا وار نہ قرار دے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے وہ فرض ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا یعنی اس کے اجتہاد اور قیاس کے شرائط موجود ہوں اور اہلِ اجتہاد کے نزدیک اس کو اجتہاد و قیاس کا حق حاصل ہو۔''

سنت و بدعت کی کشمکش میں صحیح طرزِ عمل

ہمارے معاشرہ میں مذہب کے نام پر ایک اختلاف وہ بھی ہے جو بدعت و سنت کے عنوان سے پیدا ہوا کہ بہت سے لوگوں نے قرآن وسنت کی تعبیر میں اصولِ صحیح کو چھوڑ کر ذاتی آراء کو امام بنا لیا اور نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے اس قسم کے اختلافات بلاشبہ تفرق وافتراق ہیں، جن سے قرآن وسنت میں مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے، ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید ہے لیکن قرآن کریم نے اس کا بھی ایک خاص طریق بتلایا ہے، جس کے ذریعہ تفرق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے، بڑھنے نہ پائے یہ وہی اصولِ دعوتِ الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت وتدبیر پھر خیر خواہی و ہمدردی اور نرمی قابلِ قبول عنوان سے قرآن کریم کے صحیح مفہوم کی طرف بلایا ہے اور آخر میں مجادلہ باللّتی ھی احسن یعنی حجت ودلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش ہے مگر افسوس کہ آج کل عام اہلِ علم اور مصلحین نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا۔ صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزاء اور تمسخر اور اس کو زیر کرنے کے لئے جھوٹے، سچے جائز و ناجائز حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا جس کے نتیجہ میں جنگ وجدال کا بازار تو گرم ہو گیا مگر

اصلاحِ خلق کا کوئی پہلو نہ نکلا۔

افتراق امّت کے اسباب

میں نے اس تمہیدی گزارش کو اتنا طول دینا اور اتنی تفصیل سے بیان کرنا اس لئے گوارا کیا کہ مسلمانوں کے طبقات اہلِ دین و اصلاح اور دینی خدمات انجام دینے والوں کے مابین جو تفرقہ آج پایا جاتا ہے وہ عموماً انہی حقائق کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔

اب میں ان اسباب وعوامل کو پیش کرتا ہوں جو میرے غور وفکر کی حد تک مسلمانوں میں باہمی آویزش اور شقاق وجدال کا سبب بنے ہوئے ہیں اور افسوس اس کا ہے کہ اس کو خدمتِ دین سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔

اختلاف رکھنے والوں سے جنگ وجدل

میرے نزدیک اس جنگ وجدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب وتعصب اور اپنی اختیار کردہ راہِ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا جو اہل باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیئے تھا۔ اس پر تمام امت کا اتفاق بھی ہے اور عقلاً اس کے سوا کوئی صورت بھی دین پر عمل کرنے کی نہیں ہے کہ جو لوگ خود درجہ اجتہاد کا نہیں رکھتے وہ اجتہادی مسائل میں کسی امامِ مجتہد کا اتباع کریں اور جن لوگوں نے اپنے نفس کو آزادی اور ہوا پرستی سے روکنے کے لئے دینی مصلحت سمجھ کر کسی ایک امامِ مجتہد کا اتباع اختیار کر لیا ہے وہ قدرتی طور پر ایک جماعت بن جاتی ہے اسی طرح دوسرے مجتہد کا اتباع کرنے والے ایک دوسری جماعت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اگر جماعت بندی مثبت انداز میں صرف اجتہادی مسائل کی حد تک اپنی تعلیمی اور عملی آسانیوں کے لئے ہو

تو نہ صرف اس میں کوئی مضائقہ ہے، نہ کوئی تفرقہ اور نہ ملت کے لئے اس میں مضرت۔

مضرت رساں اور تباہ کن ایک تو اسکا منفی پہلو یہ ہے کہ اپنی رائے اور اختیار سے اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ جنگ و جدل اور دوسرے ان فروعی مسائل کی بحثوں میں غلو کہ سارا علم و تحقیق کا زور اور بحث و تمحیص کی طاقت اوقات اور عمر کے عزیز انہی بحثوں کی نذر ہو جائیں۔ اگر چہ ایمان و اسلام کے بنیادی اور قطعی اجماعی مسائل مجروح ہو رہے ہوں۔ کفر و الحاد دنیا میں پھیل رہا ہو۔ سب سے صرفِ نظر کر کے ہمارا علمی مشغلہ یہ فروعی بحثیں بنی رہیں، جن کے متعلق مذکورۃ الصدر تفصیل میں ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ان میں ہزار تحقیقات کے بعد بھی بات اس سے آگے نہیں بڑھتی کہ یہ راجح ہے اور اس کے خلاف مرجوح اور اس راجح مرجوح کا بھی یقینی فیصلہ نہ دنیا میں ہو سکتا ہے نہ برزخ میں ان کا سوال ہو گا نہ محشر میں اس راجح مرجوح کا اعلان ہو گا۔

اسی طرح ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں پر نکیر کرنا درست ہے نہ ان کو خطا کار مجرم ٹھہرانا صحیح ہے۔ اس وقت ہماری قوم کا برگزیدہ ترین طبقہ علماء فقہا کا خصوصاً جو تعلیم و تصنیف میں مشغول ہیں، ان کی شبانہ روز مشغولیت کا جائزہ لیا جائے تو بیشتر حضرات کی علمی تحقیقات اور سعی و عمل کی ساری توانائی انہی فروعی بحثوں میں محدود نظر آئے گی۔

لمحۂ فکریہ

ان میں بعض حضرات کا غلو تو یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ اپنے سے مختلف رائے رکھنے والوں کی نماز کو فاسد اور ان کو تارکِ قرآن سمجھ کر اپنے مخصوص مسلک کی اس طرح دعوت دیتے ہیں جیسے کسی منکرِ اسلام کو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور اسی کو دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھے ہوئے ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ حضرات اسلام کی بنیادوں پر چاروں طرف سے حملہ آور طوفانوں سے باخبر نہیں یا جان بوجھ کر اغماض کرتے ہیں۔ اس وقت جبکہ ایک طرف تو کھلے ہوئے کفر عیسائیت اور کمیونزم نے پورے اسلامی ممالک اور اسلامی حلقوں پر گھیرا ڈالا ہوا ہے۔ اور یہ دونوں کفر طوفانی رفتار کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں' صرف پاکستان میں ہزاروں کی تعداد ہر سال مرتد ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف کفر' نفاق اور الحاد خود اسلام کا نام لینے والوں میں کہیں قادیانیت اور مرزائیت کے لباس میں، کہیں پرویزیت اور انکارِ حدیث کے عنوان سے، کہیں مغرب سے لائی ہوئی اباحیت اور تمام محرماتِ شرعیہ کو حلال کرنے کے طریقوں سے ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور یہ الحاد' کفر و نفاق پہلے کفر سے اس لئے زیادہ خطرناک ہے کہ یہ اسلام اور قرآن کے عنوان کے ساتھ آتا ہے' جن کے دام میں سیدھے سادھے جاہل عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے ہمارے نوتعلیم یافتہ نوجوان بہ کثرت اس لئے آجاتے ہیں کہ نئی تعلیم اور نئی معاشرت نے ان کو دینی تعلیم اور اسلامی اصولوں سے اتنا دور پھینک دیا ہے کہ وہ مادی علوم وفنون کے ماہر کہلانے کے باوجود مذہب اور دین کی ابتدائی معلومات سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں اور کھلے اور چھپے کفر کی ان ساری اقسام سے بھی اگر کچھ خوش نصیب مسلمان بچ جائیں تو فحاشی' عریانی' ننگے ناچ' رقص و سرود کی محفلوں اور گھر گھر ریڈیو، ٹی وی کے ذریعہ فلمی گانوں اور سینماؤں کی زہریلی فضاؤں سے کون ہے جو بچ نکلے۔

اسلام اور قرآن کا نام لینے والے مسلمان آج سارے جرائم اور بداخلاقیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں' ہمارے بازار جھوٹ' فریب' سود' قمار سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے چلانے والے کوئی یہودی نہیں' ہندو بنئے نہیں' اسلام کے نام لیوا ہیں' ہمارے سرکاری محکمے رشوت' ظلم و جور' کام چوری' بے رحمی اور سخت دل کی تربیت گاہیں بنے ہوئے ہیں اور ان کے کارفرما بھی نہ انگریز ہیں' نہ ہندو' محمد مصطفےٰ ﷺ کے

نام لینے والے روزِ آخر پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے ہیں، ہمارے عوام علمِ دین سے کورے، جہالتوں میں ڈوبے ہوئے دین کے فرائض و واجبات سے بیگانہ، مشرکانہ رسموں اور کھیل تماشوں کے دلدادہ ہیں۔

ان حالات میں کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم غور و فکر سے کام لیں اور سوچیں کہ اس وقت ہمارے آقا رسول کریم ﷺ کا مطالبہ اور توقع اہل علم سے کیا ہوگی؟ اور اگر محشر میں آپ ﷺ نے ہم سے سوال کر لیا کہ میرے دین اور شریعت پر اس طرح کے حملے ہو رہے تھے، میری امت اس بدحالی میں مبتلا تھی، تم وراثتِ نبوت کے دعویدار کہاں تھے؟ تم نے اس وراثت کا کیا حق ادا کیا؟ تو کیا ہمارا یہ جواب کافی ہو جائے گا کہ ہم نے رفع یدین کے مسئلہ پر ایک کتاب لکھی تھی یا کچھ طلباء کو شرح جامی کی بحث حاصل و محصول خوب سمجھائی تھی، یا حدیث میں آنے والے اجتہادی مسائل پر بڑی دلچسپ تقریریں کی تھیں یا صحافیانہ زورِ قلم اور فقرہ بازی کے ذریعہ دوسرے علماء و فضلاء کو خوب ذلیل کیا تھا۔

فروعی اور اجتہادی مسائل میں بحث و تمحیص کوئی مذموم چیز نہیں، اگر وہ اپنی حد کے اندر اخلاص سے اللہ کے لئے ہوتی۔ لیکن جہاں ہم یہ دیکھ رہے ہوں کہ اسلام و ایمان کی بنیادیں متزلزل کر دینے والے فتنوں کی خبر ہم سنتے ہیں، اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی بلکہ استہزا و تمسخر اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں، مگر ہمارے کان پر جوں نہیں رینگتی، تو اس کی کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ فروعی بحثیں ہم اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہے ہیں، اگر ان میں کچھ للّٰہیت اور اخلاص ہوتا تو ہم ان حالات کے تحت اسلام اور دین کے تقاضوں کو پہچانتے اور فروع سے زیادہ اصولِ اسلام کی حفاظت میں لگے ہوتے۔ ہم نے تو گویا علمی اور دینی خدمات کو انہی فروعی مباحث میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور سعی و عمل کی پوری توانائی اسی پر لگا رکھی ہے، اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل اور ایمان کی سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار کے لئے

خالی چھوڑ دیا ہے‘ لڑنا کسی محاذ پر چاہئے تھا اور ہم نے طاقت کس محاذ پر لگا دی۔ اِنّا للہ یہ تو تحزب و تعصب کے غلو کا نتیجہ ہے۔

اختلاف یا جنگ و جدل

اسی کے ساتھ دوسری بھاری غلطی ان اجتہادی مسائل میں اختلاف کے حدود کو توڑ کر تفرق و تشتت اور جنگ و جدل اور ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر و استہزاء تک پہنچ جانا ہے جو کسی شریعت و ملت میں روا نہیں‘ اور افسوس ہے کہ یہ سب کچھ خدمتِ علم و دین کے نام پر کیا جاتا ہے اور جب یہ معاملہ ان علماء کے متبعین عوام تک پہنچتا ہے تو وہ اس لڑائی کو ایک جہاد قرار دے کر لڑتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کا جہاد خود اپنے ہی دست و بازو سے ہونے لگے اس کو کسی غنیم کی مدافعت اور کفر و الحاد کے ساتھ جنگ کی فرصت کہاں۔

قرآن و حدیث میں اسی تجاوز عن الحدود کا نام تفرق ہے جو جائز اختلاف رائے سے الگ ایک چیز ہے‘ قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہے:۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا دوسری جگہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ایک وصیت کا ذکر ہے جو تمام انبیاء سابقین کو کی گئی ہے‘ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔ اَنْ اَقِیْمُوْ الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ امام تفسیر ابوالعالیہؒ نے فرمایا کہ اقامتِ دین سے مراد اخلاص ہے اور لا تتفرقوا کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں عداوت نہ کرو‘ بھائی بھائی بن کر رہو۔

اس وصیت کے بعد قرآن میں بنی اسرائیل کے تفرق کا بیان کر کے اہلِ اسلام کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کے طریقہ پر نہ جائیں۔ اس میں ارشاد ہے:۔ وَ مَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَ ھُمُ الْعِلْمُ بَغْیاً ۢ بَیْنَھُمْ۔ حضرت ابوالعالیہؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ لفظ بغیا ۢ بینھم میں اشارہ ہے کہ ایسے اختلاف کا عداوت اور جنگ و جدل تک پہنچنا کبھی دین کے سبب سے نہیں ہوتا بلکہ بغیا علی الدّنیا و

ملکھا و زخرفھا و زینتھا و سلطانھا (جامع العلم ص۸۴ ج۲)

یعنی یہ عداوت جب بھی غور کرو تو اس کا سبب دنیا، حبِ مال یا حبِ جاہ ہوتا ہے، جس کو نفس و شیطان خدمتِ دین کا عنوان دے کر مزین کر دیتا ہے، ورنہ اس طرح کے مسائل میں اختلاف رائے کی حدو ہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے، کہ مثبت طور پر اپنے عمل کے لئے ایک جانب اصلح سمجھ کر اختیار کر لیں اور اس سے مختلف مسلک رکھنے والوں سے لڑتے نہ پھریں، جس طرح دنیا میں انسان جب بیمار ہوتا ہے اپنے معالجہ کے لئے کسی ایک حکیم یا ڈاکٹر کا انتخاب کر کے صرف اسی کے قول پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی کی ہدایت پر عمل کرتا ہے مگر دوسرے ڈاکٹروں کو برا بھلا کہتا نہیں پھرتا ایک مقدمہ کا آپ کسی ایک شخص کو وکیل بنا کر اپنا مقدمہ اس کے سپرد کر دیتے ہیں مگر دوسرے وکلاء سے لڑتے نہیں پھرتے، اجتہادی مختلف فیہ مسائل میں بھی ٹھیک یہی آپ کا طرز عمل ہونا چاہئے۔

مخالفت نہیں تقسیمِ کار

ہماری دینی جماعتیں جو تعلیمِ دین یا ارشاد و تلقین یا دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے قائم ہیں اور اپنی اپنی جگہ مفید خدمات بھی انجام دے رہی ہیں ان میں بہت سے علماء و صلحاء اور مخلصین کام کر رہے ہیں، اگر یہی متحد ہو کر تقسیم کار کے ذریعہ دین میں پیدا ہونے والے تمام رخنوں کے انسداد کی فکر اور امکانی حد تک باہم تعاون کرنے لگیں اور اقامت دین کے مشترک مقصد کی خاطر ہر جماعت دوسری کو اپنا دست و بازو سمجھے اور دوسروں کے کام کی ایسی ہی قدر کریں جیسی اپنے کام کی کرتے ہیں تو یہ مختلف جماعتیں اپنے اپنے نظام میں الگ رہتے ہوئے بھی اسلام کی ایک عظیم الشان طاقت بن سکتی ہیں اور تقسیم عمل کے ذریعہ اکثر دینی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہیں۔

مگر عموماً یہ ہو رہا ہے کہ ہر جماعت نے جو اپنے سعی و عمل کا ایک دائرہ اور نظامِ عمل بنایا ہے، عملی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدمتِ دین کو اسی میں منحصر سمجھ رہے ہیں، گو زبان سے نہ کہیں دوسری جماعتوں سے اگر جنگ و جدل بھی نہیں تو بے قدری ضرور دیکھی جاتی ہے، اس کے نتیجہ میں ان جماعتوں ٹیں بھی ایک قسم کا تشتت پایا جاتا ہے۔ غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصد سب کا اگر چہ دین کی اشاعت، حفاظت اور مسلمانوں کی علمی، عملی، اخلاقی اصلاح ہی ہے، لیکن اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کسی نے ایک دارالعلوم قائم کر کے تعلیمِ دین کی اہم خدمت انجام دی، کسی نے ایک تبلیغی جماعت بنا کر رشد و ہدایت کا فرض ادا کیا، کسی نے کوئی انجمن بنا کر احکامِ دین کی نشر و اشاعت کا تحریری انتظام کیا۔ کسی نے فتویٰ کے ذریعہ خلقِ خدا کو ضروری احکام بتانے کے لئے دارالافتاء قائم کیا، کسی نے اسلام کے خلاف ملحدانہ تلبیسات کے جواب کے لئے تصنیفات کا یا ہفتہ وار، ماہوار رسالہ اخبار کا سلسلہ جاری کیا، یہ سب کام اگر چہ صورت میں مختلف ہیں، مگر درحقیقت ایک ہی مقصد کے اجزاء ہیں، ان مختلف محاذوں پر جو مختلف جماعتیں کام کریں گی یہ ضرور ہے کہ ہر ایک کا نظامِ عمل مختلف ہو گا اس لئے ہر جماعت نے بجا طور پر سہولت کے لئے اپنے اپنے مذاق اور ماحول کے مطابق ایک نظامِ عمل اور اس کے اصول و قواعد بنا رکھے ہیں اور ہر جماعت ان کی پابند ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو منصوص اور قطعی اور قرآن و سنت سے ثابت ہے، اس سے انحراف کرنا قرآن و سنت کی حدود سے نکلنا ہے، لیکن یہ اپنا بنایا ہوا نظامِ عمل اور اس کے تنظیمی اصول و قواعد نہ منصوص ہیں، نہ ان کا اتباع ازروئے شرع ہر ایک کے لئے ضروری ہے، بلکہ جماعت کے ذمہ داروں نے سہولتِ عمل کے لئے ان کو اختیار کر لیا ہے ان میں حسبِ ضرورت تبدیلیاں وہ خود بھی کرتے رہتے ہیں اور حالات اور ماحول بدلنے پر اس کو چھوڑ کر

کوئی دوسرا نظامِ عمل بنا لینا بھی کسی کے نزدیک ناجائز یا مکروہ نہیں ہوگا۔

اختلاف یا مصیبت

مگر اس میں عملی غلو تقریباً ہر جماعت میں یہ پایا جاتا ہے کہ اپنے مجوزہ نظامِ عمل کو منصوص کا درجہ دے دیا گیا۔ جو شخص اس نظامِ عمل میں شریک نہیں اگرچہ مقصد کا کتنا ہی عظیم کام کر رہا ہو، اس کو اپنا بھائی، اپنا شریکِ کار نہیں سمجھا جاتا اور اگر کوئی شخص اس نظامِ عمل میں شریک تھا پھر کسی وجہ سے اس میں شریک نہ رہا تو عملاً اسے اصل مقصد اور دین سے منحرف سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے، جو دین سے انحراف کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیے، اگرچہ وہ اصل مقصد یعنی اقامتِ دین کی خدمت پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے، اس غلو کے نتیجہ میں وہی تحزب و تعصب اور گروہ بندی کی آفتیں اچھے خاصے دیندار لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہیں، جو جاہلی عصبیتوں میں مبتلا لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

پیغمبرانہ دعوت کو نظر انداز کرنا

ہماری تبلیغ دعوت اور اصلاحی کوششوں کو بے کار کرنے اور تفرقہ اور جنگ و جدل کی خلیج کو وسیع کرنے میں سب سے زیادہ دخل اس کو ہے کہ آج کل کے اہلِ زبان اور اہلِ قلم علماء نے عموماً دعوت و اصلاح کے پیغمبرانہ طریقوں کو نظر انداز کر کے صحافیانہ زبان اور فقرے چست کرنے ہی کو بات میں وزن پیدا کرنے اور مؤثر بنانے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے اور تجربے و مشاہدے سے واضح ہے کہ یہ ایک ایسا منحوس طریقہ ہے کہ اس سے خطاکار یا گمراہ کی اصلاح کی تو کبھی توقع نہیں رکھی جا سکتی، یہ طریقِ کار ان کو ضد اور ہٹ دھرمی پر اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اصلاح کے بجائے دلوں میں دشمنی کے بیج بوتا ہے اور عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔

ہاں اپنے ہواخواہوں اور معتقدین کے لئے کچھ دیر کا سامانِ تفریح ضرور ہو

جاتا ہے اوران کی دادِ سخن دینے سے لکھنے والے بھی کچھ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے دین کی بڑی اچھی خدمت کی ہے۔

لیکن جولوگ اس مضمون کے مخاطب ہوتے ہیں ان کے دلوں سے پوچھئے کہ اگرکسی وقت ان کواس بات کے حق ہونے کا یقین بھی ہو جائے تو یہ فقرہ بازی اور تمسخر واستہزاء کا طریق اس کوحق کی طرف آنے سے مانع نہیں بن جاتا؟ اورانہیں ہمیشہ کے لئے اس داعی کا دشمن نہیں بنادیتا ہے؟

پیغمبرانہ دعوت کے عناصر اربعہ

اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں علیہم السلام کی دعوت کا طریقہ ملاحظہ فرمایا جائے تو اس کے الفاظ سادہ مگر عام انسانی ہمدردی سے لبریز اور نرم ہوتے ہیں' وہ مخالفین کی سخت ترین بدکلامی سن کر بھی جواب سادہ اور نرم دیتے ہیں' فقرے نہیں کستے' دل میں ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ حق بات کو قبول کر لے،اس کے لئے حکمت کے ساتھ تدبیریں کرتے ہیں۔

پیغمبرانہ دعوت کی روح قرآن کے ایک لفظ نذیر سے سمجھی جاسکتی ہے جو ہر پیغمبر کے لئے قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن کریم میں جابجاان کو بشیر ونذیر کہا گیا ہے۔لفظ نذیر کا ترجمہ اردو میں ڈرانے والے کا کیا جاتا ہے مگر ڈرانے کا لفظ نذیر کا پورا مفہوم ادا نہیں کرتا اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے اس ترجمہ کو اختیار کرلیا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ڈرانے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں چور'ڈاکو کا بھی ڈرانا ہے'درندہ اور دشمن کا بھی ڈرانا ہے اور ایک شفیق باپ بھی اپنے بچہ کو بچھو'سانپ' زہر اور آگ سے ڈراتا ہے۔پہلی قسم نری تخویف ہے نذارت وانذار نہیں' چور' ڈاکو یا دشمن اور درندہ کو نذیر نہیں کہا جائے گا اور دوسری قسم جو مہربان باپ کی طرف سے ہے وہ ڈرانا شفقت و ہمدردی کے بناء پر مضر اور تکلیف دہ چیزوں سے ڈرانے والے کو نذیر کہا جاتا ہے۔انبیاء علیہم السلام کے لئے نذیر کا لفظ

استعمال فرما کران کی تبلیغ وتعلیم کی روح کی طرف اشارہ کر دیا گیا' وہ صرف کوئی پیغام ہی نہیں پہنچاتے بلکہ حکمت اور ہمدردی اور خیر خواہی سے اس پیغام کو مؤثر بنانے اور مخاطب کو ہلاکت سے بچانے کی پوری تدبیر اور کوشش بھی کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں دعوتِ پیغمبرانہ کے جو اصول ایک آیت میں بیان کئے گئے ہیں' وہ گویا اس لفظ نذیر کی شرح ہیں ارشاد ربانی ہے:۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ.

اس میں دعوتِ الی اللہ کے آداب میں سب سے پہلے بالحکمت کو رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ داعی کا کام صرف ایک پیغام وکلام کو لوگوں کے کانوں میں ڈال دینا نہیں بلکہ حکمت وتدبر سے مناسب وقت' مناسب ماحول دیکھ کر ایسے عنوان سے پہنچانا ہے کہ مخاطب کے لئے قبول کرنا آسان ہو جائے۔

دوسری چیز موعظت ہے' جس کے معنی کسی ہمدردی وخیر خواہی کے ساتھ نیک کام کی طرف بلانے کے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ داعی کے لئے ضروری ہے کہ جو کلام کرے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کرے۔

تیسری چیز موعظت کے ساتھ حسنہ کی قید ہے اس میں اشارہ عنوان کو نرم اور دلنشیں بنانا ہے کیونکہ بعض اوقات خالص ہمدردی اور خیر خواہی سے کسی کو اس کی بھلائی کی طرف بلایا جاتا ہے مگر عنوان اور لب ولہجہ دلخراش ہوتا ہے تو وہ دعوت بھی مؤثر نہیں ہوتی اس لئے موعظت کے ساتھ حسنہ کی قید لگا دی۔

حاصل یہ ہے کہ اس آیت نے دعوتِ پیغمبرانہ کے آداب میں تین چیزوں کو ضروری قرار دیا۔ اول' حکمت وتدبر''۔ تاکہ دعوت بیکار نہ ہو جائے بلکہ موثر ہو۔

دوسرے' ہمدردی وخیر خواہی سے نیک کام کی دعوت۔

تیسرے' اس دعوت کا عنوان اور لب ولہجہ نرم وقابل قبول ہو۔

آخر میں ایک چوتھی چیز یہ بتلائی کہ اگر دعوت کو ان آداب کے ساتھ پیش کرنے پر بھی قبول نہ کیا جائے اور نوبت مجادلہ ہی کی آجائے تو پھر عامیانہ انداز کا مجادلہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَن یعنی اچھے طریقے پر ہونا چاہیے۔ ابن کثیرؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا:۔

برفق ولین و حسن خطاب یعنی مجادلہ بھی نرمی، خیر خواہی اور حسنِ خطاب کے ساتھ ہونا چاہیے اور تفسیر مظہری میں فرمایا کہ مجادلة بالتی ھی احسن یہ ہے کہ اس میں اپنا غصہ اتارنا یا اپنے نفس کی بڑائی پیشِ نظر نہ ہو، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کلمۂ حق کو بلند کرنے کے لئے ہو، اور مجادلہ بالتی ھی احسن صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ غیر مسلموں سے مجادلہ کی نوبت آئے تو اس میں بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اسی کی ہدایت کی گئی ہے، ایک آیت میں ارشاد ہے۔

ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالّتی ھی احسن

یعنی کفار اہل کتاب سے مجادلہ کی نوبت آئے تو وہ بھی بالّتی ھی احسن یعنی نرمی، خیر خواہی اور حسنِ خطاب کے ساتھ ہونا چاہیے۔

انبیاء علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ

انبیاء علیہم السلام کے دعوت و اصلاح کے واقعات جو قرآن و حدیث میں بے شمار آئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک کو دیکھئے تو پوری عمر کی کوششوں کو اسی انداز پر پائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام سو پچاس نہیں بلکہ نو سو برس تک جس قوم کو دعوت دیتے رہے اور ہمدردی اور خیر خواہی سے سمجھاتے رہے، اس کے باوجود جب ان کی قوم نے سختی اور بے تہذیبی کا معاملہ کیا، ان کو بے وقوف بتایا تو آپ کو معلوم ہے کہ اس رسول مقبول ﷺ نے کیا جواب دیا۔

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ .

''میرے بھائیو مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں بلکہ میں تو رب العلمین کی
طرف سے رسول بنا کر تمہاری بھلائی کے لئے بھیجا گیا ہوں۔''

سرورِ کائنات ہمارے رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی کے واقعات اسی طرز کے شاہد ہیں، ہر طرح کی ایذائیں سہنے کے بعد بھی ظالموں سے انتقام لینے کا تو ذکر ہی کیا ہے، ان کے لئے بھی دعائے خیر کی جاتی۔ **اهد قومی انهم لا یعلمون** جن حضرات علماء کو وراثتِ انبیاء کا کچھ حصہ ملا ہے۔ ان سب کا بھی دعوت و تبلیغ میں یہی حال رہا ہے۔ آخری دور میں حضرت سید اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ ہے کہ دہلی جامع مسجد سے وعظ کر کے باہر آ رہے تھے مسجد کی سیڑھیوں پر چند غنڈوں نے راستہ روکا اور کہا ہم نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں' مولانا نے نہایت طمانیت سے فرمایا کہ بھائی! آپ کو غلط خبر ملی ہے' میری والدہ کے نکاح کے گواہ اب تک زندہ موجود ہیں۔

وہ جانتے تھے کہ ان کا مقصد صاف گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے' مگر وارث انبیاء کا جو کام ہونا چاہئے وہ کیا کہ ان کی گالی کو ایک مسئلہ بنا کر بات ختم کر دی۔

طریقِ نبوت اور ہم

حقیقت یہ ہے کہ دعوت و اصلاح کا کام انبیاءؑ یا ان کے وارث ہی کر سکتے ہیں، جو قدم قدم پر اپنا خون پیتے ہیں اور دشمن کی خیر خواہی اور ہمدردی میں لگے رہتے ہیں، ان کی رفتار گفتار میں کسی مخالف پر طعن و تشنیع کا شائبہ نہیں ہوتا' وہ مخالف کے جواب میں فقرے چست کرنے کی فکر نہیں کرتے' وہ ان پر الزام تراشی کا پہلو اختیار نہیں کرتے' اسی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ چند روز کی مخالفتوں کے بعد بڑے بڑے سرکشوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑتا ہے' ان کی بات کو ماننا پڑتا ہے' آج افسوس یہ ہے کہ ہم اسوۂ انبیاء علیہ السلام سے اتنی دور جا پڑے کہ ہمارے کلام و تحریر میں ان کی کسی بات کا رنگ نہ رہا۔

آج کل کے مبلغ و مصلح کا کمال یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مخالف پر طرح طرح

کے الزام لگا کر اس کو رسوا کرے اور فقرے ایسے چست کرے کہ سننے والا دل کو پکڑ کر رہ جائے' اسی کا نام آج کی زبان میں زبان دانی اور اردو ادب ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ و اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء ؑ کو جب مقامِ دعوت پر کھڑا کرتے ہیں تو موسیٰ و ہارون علیہما السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کو فرعون جیسے سرکش کافر کی طرف بھیجنے کے وقت یہ ہدایت نامہ دے کر بھیجتے ہیں۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی.

"فرعون سے بات نرم کرو۔ شاید وہ راستہ پر آ جائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے۔"

آج ہمارے علماء اور مصلحین و مبلغین میں کوئی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے زیادہ ہادی اور رہبر نہیں ہو سکتا اور ان کے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں ہو سکتے، تو ان کے لئے کیسے روا ہو گیا کہ جس سے ان کا کسی رائے میں اختلاف ہو جائے تو اس کی پگڑی اچھالیں اور ٹانگ کھینچنے کی فکر میں لگ جائیں اور استہزاء و تمسخر کے ساتھ اس پر فقرے چست کریں اور پھر دل میں خوش ہوں کہ ہم نے دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے اور لوگوں سے اسکے متوقع رہیں کہ ہماری خدمات کو سراہیں اور قبول کریں۔

دوسروں سے پہلے اپنی اصلاح

میری نظر میں اس وقت یہ تین اسباب ہیں جو مسلمانوں کا شیرازہ بندھنے نہیں دیتے۔ ہر اجتماع کے نتیجہ میں افتراق اور ہر تنظیم کے نتیجہ میں تفریق' ہر اصلاح کے نتیجہ میں فساد اور ہر دعوت کے نتیجہ میں نفرت ہمارے سامنے آتی ہے۔ کاش ہم مل کر سوچیں اور دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ کیونکہ اصل مرض یہی ہے کہ حبّ مال و جاہ' حسد و بغض کی نجاستوں سے اپنے قلوب پاک نہیں، ہمیں اس پر بڑا ناز ہے کہ ہم چوری' رشوت' سود' شراب' رقص و سرود' اور سینما سے پرہیز کرتے

ہیں اور نماز روزے کے پابند ہیں، لیکن خطرہ یہ ہے کہ کہیں ہماری یہ نماز روزہ کی پابندی اور سود، شراب، رقص وسرود سے پرہیز کہیں ایسا تو نہیں کہ صرف اپنی مولوی گری کے پیشہ کی خاطر ہو، کیونکہ اسی پیشہ میں ان چیزوں کی کھپت نہیں ورنہ اگر ہم ان چیزوں سے خالص اللہ کے خوف کی بناء پر بچے ہوتے تو حبِ مال و جاہ، حسد و بغض، کبر وریاء سے بھی بچے ہوتے کیونکہ ان کی نجاست کچھ سود وشراب سے کم نہیں، مگر یہ باطنی گناہ ہمارے جبے اور عمامے کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اس لئے ان کی پرواہ نہیں ہوتی اور یہی وہ چیزیں ہیں جو دراصل سارے تفرقوں کی بنیاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب آفتوں سے بچنے کی توفیقِ کامل عطا فرمائے، تاکہ یک دل ہو کر دعوت واصلاح کا کام پیغمبرانہ جذبہ اور پیغمبرانہ آداب کے ساتھ لے کر کھڑے ہو جائیں!

خلاصۂ کلام

اہل نظر وفکر سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس وقت دنیا کے ہر خطہ اور ہر ملک میں مسلمان جن مصائب اور آفات میں مبتلا ہیں ان کا سب سے بڑا سبب آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی ہے۔ ورنہ عددی اکثریت اور مادی اسباب کے اعتبار سے پوری تاریخِ اسلام میں کسی وقت بھی مسلمانوں کو اتنی عظیم طاقت حاصل نہیں تھی جتنی آج ہے۔

اور اس تفرقہ کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے تو اس کا سبب اللہ اور آخرت سے غفلت اور دوسری قوموں کی طرح صرف دنیا کی چندروزہ مال و دولت اور عزت و جاہ کی ہوسِ بے لگام ہے، جو ہمارے معاشرہ میں کبھی سیاسی اقتدار کے لئے کش مکش، تجارتی اور صنعتی ریس، عہدوں اور منصوبوں کی خاطر باہمی تصادم کی صورت میں ہمارے معاشرہ کو پارہ پارہ کرتی ہے اور کبھی مذہبی اور دینی نظریات کی آڑ اور مختلف نظاموں کے روپ میں ہمیں ایک دوسرے کے خلاف اہانت واستہزاء کا ذریعہ بن جاتی ہے، وگرنہ اگر اجتہادی نظریات کے باہمی اختلاف کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کی طرح ہماری

جنگ کا رُخ صرف کفر و الحاد اور بے دینی کی طرف ہو جائے اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ایک صف اور ایک بنیانِ مرصوص نظر آئیں۔

ذمہ دار علماء سے دردمندانہ گزارش

سیاسی اور اقتصادی میدان اور اغراض و منصب کی دوڑ میں بے اعتدالیوں کی روک تھام تو سرِ دست ہمارے بس میں نہیں، لیکن خود دین و مذہب کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کے نظریاتی اور نظامی اختلافات، اشتراکِ مقصد کی خاطر معتدل کئے جاسکتے ہیں، اگر ہم اسلام کے بنیادی اصول کی حفاظت اور الحاد و بے دینی کے سیلاب کی مدافعت کے اہم مقصد کو صحیح معنی میں مقصدِ اصلی سمجھ لیں تو یہ وہ نقطۂ وحدت ہے کہ جس پر مسلمانوں کے سارے فرقے ساری جماعتیں جمع ہو کر کام کر سکتی ہیں اور اسی صورت اس سیلاب کے مقابلہ میں کوئی موثر انجام پا سکتا ہے۔

لیکن حالات کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ یہ مقصدِ اصلی ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ اس لئے ہماری ساری توانائی اور علم و تحقیق کا زور آپس کے اختلافی مسائل پر صرف ہوتا ہے، وہی ہمارے وعظوں، جلسوں، رسالوں اور اخباروں کا موضوع بحث بنتے ہیں، ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دینِ اسلام صرف ان دو چیزوں کا نام ہے اور جس رخ کو انہوں نے اختیار کر لیا ہے اس کے خلاف کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت جو کفر و الحاد اور بے دینی اور معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے مقابلہ پر خرچ ہوتی آپس کی جنگ و جدل میں خرچ ہونے لگتی ہے۔ اسلام و ایمان ہمیں جس محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے کے لئے پکارتا ہے وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی پڑا نظر آتا ہے۔ ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پُر ہے۔ اعمال و اخلاق برباد ہیں۔ معاملات و معاہدات میں فریب ہے۔ سود، قمار بازی، شراب، خنزیر، بے حیائی، بدکاری ہماری زندگی

کے ہر شعبہ پر چھا گئے ہیں' سوال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جائز وارث اور ملک وملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے اس سے آدھا بھی ان کے اللہ کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا' اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوشِ ایمانی کا اظہار ہوتا ہے وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا۔ ہمارا زورِ زبان اور زورِ قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ سرحدات اور اصولِ ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا؟ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیانِ مرصوص کیوں نہیں بن جاتے؟

آخر ہم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ بعثت انبیاء اور نزول قرآن کا وہ مقصدِ عظیم جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا اور جس نے غیروں کو اپنا بنایا۔ جس نے اولادِ آدم علیہ السلام کو بہیمیت سے نکال کر انسانیت سے سرفراز کیا اور جس نے ساری دنیا کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا' کیا وہ صرف یہی مسائل تھے۔ جن میں ہم الجھ کر رہ گئے ہیں اور کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریق اور پیغمبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ

''کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔''

آخر وہ کون سا وقت آئے گا جب ہم اپنے نظریاتی اور نظامی مسائل سے ذرا آگے بڑھ کر اصولِ اسلام کی حفاظت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کو اپنا اصلی فرض سمجھیں گے۔ ملک میں عیسائیت اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی

خبرلیں گے، قادیانیت، انکارِ حدیث اور تحریفِ دین کے لئے قائم شدہ اداروں کا پیغمبرانہ دعوت واصلاح کے ذریعے مقابلہ کریں گے؟

تو آج ہمیں سوچ لینا چاہیئے!

اور اگر ہم نے یہ نہ کیا اور محشر میں ہمارے ماویٰ اور ملجا رسول کریم ﷺ نے ہم سے یہ سوال فرمایا کہ میری شریعت اور میرے دین پر یہ حملے ہو رہے تھے۔ اسلام کے نام پر کفر پھیلایا جا رہا تھا۔ میری امت کو میرے دشمنوں کی امت بنانے کی کوشش مسلسل کی جا رہی تھی۔ قرآن وسنت کی کھلے طور پر تحریف کی جا رہی تھی، اللہ اور رسول علیہ السلام کی نافرمانی اعلانیہ کی جا رہی تھی تو تم مدعیانِ علم کہاں تھے؟ تم نے اس کے مقابلہ پر کتنی محنت اور قربانی پیش کی؟ کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستے پر لگایا۔ تو آج ہمیں سوچ لینا چاہیئے کہ ہمارا کیا جواب ہوگا؟

راہِ عمل

اس لئے ملت کا درد اور اسلام وایمان کے اصول ومقاصد پر نظر رکھنے والے حضرات علماء سے میری دردمندانہ گزارش یہ ہے کہ:

(۱) مقصد کی اہمیت اور نزاکت کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے تو اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ ہم اپنی علمی وعملی صلاحیت اور زبان وقلم کے زور کو زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے جس کی حفاظت کے لئے قرآن وحدیث آپ کو بلا رہے ہیں۔

(۲) علماء کرام اس بات کا عہد کیجئے اور فیصلہ بھی کہ اس کام کے لئے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

(۳) آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے

اپنے حلقۂ درس اور تصنیف و تالیف اور فتویٰ تک محدود رکھیں گے۔
عوامی جلسوں، اخباروں، اشتہاروں، باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے
ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے، ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصولِ
دعوت و اصلاح کے تابع دلخراش عنوان اور طعن و تشنیع استہزاء و تمسخر
اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

(۴) معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لئے
دلنشیں عنوان اور مشفقانہ لب و لہجہ کے ساتھ کام شروع کردیں گے۔

(۵) الحاد و بے دینی اور تحریفِ قرآن و سنت کے مقابلہ کے
لئے پیغمبرانہ اصولِ دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں، مشفقانہ، ناصحانہ
بیانوں اور دلنشیں دلائل کے ذریعہ مجادلہ بالتی ھی احسن
کے ساتھ اپنے زورِ زبان اور زورِ قلم کو وقف کردیں گے۔

میں جو کچھ کہہ گیا ہوں افسوس کہ نہ میرا منصب تھا، نہ علماء کرام کے سامنے
مجھے ایسی جرأت کرنا چاہئے تھی، مگر دکھی دل کے کچھ کلمات ہیں جو زبان پر آ گئے، میرے
محترم بزرگ مجھے معاف فرمائیں اور اگر ان باتوں میں کوئی مفید پہلو ہے تو وہ خود ان کا
اپنا کام ہے اس کو اختیار فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر حضرات علماء اس طرف متوجہ ہو
گئے اور کام شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِنْ تَنْصُرُ اللّٰهَ يَنْصُرْ كُمْ (یعنی اگر تم اللہ کی
مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا) آنکھوں سے پورا ہوتا ہوا مشاہدہ کریں گے۔

ان اُرید الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الاّ باللہ
علیه توکلّت و الیه انیب

اختلافاتِ امت اور اُن کا حل

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ' مالٹہ کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیو بند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے جب اہم بات ارشاد فرمائی۔ جو لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی۔ جنگ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ' وتعالیٰ کے لئے، امت کی صلاح وفلاح کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جملہ جو اُن کی زبانِ مبارک پر آیا تھا' ان کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے۔ فرمایا:۔

''الحمدللہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے۔'' جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا۔ ''اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک ختم ہو جانے والی ہے' غم اس کا ہے کہ یہ تکلیف ومحنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں۔

مالٹہ کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے' علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا' اس وقت فرمایا کہ

''ہم نے تو مالٹہ کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔''

یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسی (۸۰) سال علماء کو درس دینے کے بعد آخرِ عمر جو سبق سیکھے ہیں' وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ:۔

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا' دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی' اس لئے میں وہیں سے یہ عزم

لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے' اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

نباضِ امّت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی' باقی ایامِ زندگی میں ضعف و علالت اور ہجومِ مشاغل کے باوجود اس کے لئے سعیِ پیہم فرمائے بذاتِ خود درس قرآن شروع کرایا' جس میں تمام علمائے شہر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے' عوام بھی' اس ناکارہ کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ مگر اس واقعے کے بعد حضرت رحمہ اللہ کی عمر ہی گنتی کے چند ایام تھے۔ "آن قدح بہ شکست وآن ساقی نماند"

آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور جن حوادث و آفات سے دوچار ہیں اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ان کے سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے۔ "قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔" غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہیں۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔

اختلاف رائے کے حدود

اختلاف رائے کچھ مذموم نہیں' اگر اپنی حدود کے اندر ہو۔ انسان کی فطرت میں اس کے پیدا کرنے نے عین حکمت کے مطابق ایک مادہ غصہ اور مدافعت کے لئے رکھا ہے۔ اگر اس کا رخ دوسری طرف ہو جائے' خواہ اس لئے کہ دشمن کو پہچاننے

اور متعین کرنے میں غلطی ہو گئی یا کسی دوسری وجہ سے۔ بہر حال جب دشمن کا رخ بدلے گا تو یہ خود اپنی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔ اسی لئے قرآن کریم نے مومن کے لئے پوری وضاحت کے ساتھ اس کا رخ متعین فرما دیا ہے۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ۔

''شیطان تمہارا دشمن ہے اس کو ہمیشہ دشمن سمجھتے رہو۔''

جس کا حاصل یہ ہے کہ مومن کے غصے اور لڑائی کا مصرفِ صحیح صرف شیطان اور شیطانی طاقتیں ہیں۔ جب اس کی جنگ کا رخ اس طرف ہوتا ہے تو وہ جنگ قرآن کی اصطلاح میں جہاد کہلاتی ہے' جو اعظم عبادات میں سے ہے۔ حدیث میں فرمایا ہے ذروۃ سنامہ الجھاد یعنی اسلام میں سب سے اعلیٰ کام جہاد ہے۔ لیکن اگر اس جنگ کا رخ ذرا اس طرف سے ہٹا تو یہ جہاد کے بجائے فساد کہلاتی ہے' جس سے بچانے ہی کے لئے اللہ کے سارے رسول ﷺ اور کتابیں آئی ہیں۔ شکل وصورت کے اعتبار سے جہاد اور فساد میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

وہ کانٹا جہاں سے یہ لائنیں بدلتی ہیں صرف یہ ہے کہ اس کا رخ شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف ہے تو جہاد ہے ورنہ فساد۔ دوقومی نظریہ' جس نے پاکستان بنوایا اسی اجمال کی عملی تفصیل تھی کہ کلمۂ اسلام کے ماننے والے ایک متحد قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری قوم۔ ان کے جہاد کا رخ اس طرف ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ' نے جہاد کے فرض ہونے کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی کہ قہر و غضب اور مدافعت کا مادہ' جو انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے' جب جہاد کے ذریعے اپنا صحیح مصرف پالیتا ہے تو آپس کی خانہ جنگی اور فساد سے خود بخود نجات ہو جاتی ہے' ورنہ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جس چھت میں بارش کا پانی نکلنے کا راستہ پر نالوں کے ذریعے نہ بنایا جائے تو پھر یہ پانی چھت کو توڑ کر اندر آتا ہے۔

صلح اور جنگ کس سے؟

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام پر یہی مثال صادق آتی ہے۔ شیطان اور شیطانی تعلیم' کفر والحاد' اللہ اور رسول ﷺ سے بغاوت' فحاشی وعیاشی سے طبیعتیں مانوس ہو رہی ہیں' ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے۔ اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا۔ انسانی رواداری' اخلاق' مروت کا سارا زور کفر والحاد اور ظلم کی حمایت میں صرف ہوتا ہے۔ نفرت' بغاوت' عداوت کا میدان خود اپنے اعضاء و جوارح کی طرف ہے۔ آپس میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی ہے۔ چھوٹا سا نقطۂ اختلاف ہو تو اس کو بڑھا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ اخبارات ورسائل کی غذا یہی بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں طرف سے اپنی پوری توانائی اس طرف صرف کی جاتی ہے کہ گویا جہاد ہو رہا ہے۔ دو متحارب طاقتیں لڑ رہی ہیں اور کوئی اللہ کا بندہ اپنی طرف نظر کر کے نہیں دیکھتا کہ ؏

ظالم جو بہہ رہا ہے وہ تیرا ہی گھر نہ ہو۔

سیاستِ ممالک سے لے کر خاندانی اور گھریلو معاملات تک سب میں اسی کا مظاہرہ ہے، جہاں دیکھو اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کا سبق پڑھنے والے آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ قرآن حکیم نے جہاں عفو و درگزر' حلم و بردباری کی تلقین کی تھی وہاں جنگ ہو رہی ہے اور جس محاذ پر جہاد کی دعوت دی تھی وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی پڑا ہے۔ فالی اللہ المشتکی و انا للہ و انا الیہ راجعون.

اسمبلیوں' کونسلوں' میونسپل بورڈوں کی نشست' حکومت کے عہدوں اور ملازمتوں کی دوڑ' صنعت و تجارت میں مقابلہ اور کمپی ٹیشن' جائدادوں اور زمینداریوں کی کش مکش جہاں خالص اپنے حقوق کی جنگ ہے' جس کو چھوڑ بیٹھنا سب کے نزدیک ایثار اور اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہے۔ وہاں کوئی ایک انچ اپنی جگہ سے سرکنے کو تیار نہیں۔ دین و مذہب کے نام پر کام کرنے والوں کی اول تو تعداد ہی کم ہے اور جو ہے وہ عموماً

قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات سے اغماض کر کے جزوی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکۂ جدال بنا ہوا ہے۔ جس کے پیچھے غیبت' جھوٹ' ایذائے مسلم' افترا و بہتان' تمسخر و استہزاء جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر اللہ کے گھروں میں جدال و قتل اور لڑائیاں ہیں۔ نوبت پولیس اور عدالتوں تک پہنچی ہوئی ہے۔

ان دینداروں کو اللہ اور رسول ﷺ پر استہزا کرنے والوں' شراب پینے والوں' سود اور رشوت کھانے والوں سے وہ نفرت نہیں' جو ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں سے ہے۔

کوئی اللہ کا بندہ اس پر نظر نہیں کرتا کہ اس کے مثبت و منفی دونوں پہلوؤں میں کوئی بھی کسی کے نزدیک ایسا نہیں جس کے لئے مسلمانوں سے جنگ کرنا جائز ہو' جس کے لئے دوسروں کی غیبت و بہتان' تذلیل و تحقیر روا ہو۔

اصلاحِ حال کی ایک غلط کوشش

ہمارے نو تعلیم یافتہ روشن خیال مصلحین کی توجہ جب اس باہمی اختلاف کے مہلک نتائج کی طرف جاتی ہے اور اسکے علاج کی فکر ہوتی ہے تو ان کے خیال میں ساری خرابیاں صرف ان اختلافات میں نظر آتی ہیں جو دین و مذہب کے نام پر سامنے آتے ہیں اور وہ صرف اسی اختلاف کو مٹانے کے لئے علاج سوچتے ہیں۔ وہ اس وقت ان سب لڑائیوں کو بھول جاتے ہیں' جو خالص نفسانی اور ذاتی غرض کے لئے لڑی جا رہی ہیں۔ جن کے لئے ایک دوسرے کی جان' آبرو اور مال سب کچھ حلال سمجھ لیا جاتا ہے' جس کے پیچھے پورے ملک میں باہمی منافرت کے سیلاب امنڈتے ہیں مگر ان کو چونکہ نئی تہذیب و شرافت کا نام دے دیا ہے' اس لئے نہ وہ قوم کے لئے کوئی مرض رہا نہ اُس کا علاج سوچنے کی ضرورت رہی۔ اختلاف و لڑائی میں صرف ''ملا'' بدنام ہے

اسی کا علاج زیرِ غور ہے‘ حالانکہ دین و مذہب کے نام پر جو اختلافات ہیں‘ اگر غور کیا جائے تو ان کی خرابی صرف حدود سے تجاوز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ورنہ وہ کوئی برادری کا نوتہ نہیں بن سکتے۔ وہ اپنے ذاتی حقوق نہیں جنہیں قربان کیا جا سکے، بلکہ قرآن وسنت کی تعبیر کے اختلافات ہیں۔ جن کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے بعض روشن خیال مصلحین نے سارا فساد انہیں اختلافات میں منحصر سمجھ کر اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ فرقہ وارانہ اختلافات کو ہٹا کر سب کا ایک نیا اور مشترک مذہب بنا لیا جائے۔ پوری قوم کا وہی ایک مذہب ہو‘ تا کہ اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔

مگر یہ بات مذہبی مسائل میں عقلاً صحیح ہے نہ عملاً ممکن۔ ہاں خالص دنیوی معاملات جن میں جھگڑا ذاتی حقوق ہی کا ہو‘ وہاں اپنے اپنے مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسی صلح کی جا سکتی ہے‘ اس لئے باہمی جنگ وجدل کا علاج یہ نہیں کہ اختلاف کو مٹا کر سب کو ایک نظریئے کا پابند کر دیا جائے۔

اختلاف رائے اور جھگڑے فساد میں فرق

اہل عقل و بصیرت پر مخفی نہیں کہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کے معاملات میں بہت سے مسائل ایسے آتے ہیں جن میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں‘ ان میں اختلاف کرنا‘ عقل و دیانت کا عین مقتضیٰ ہوتا ہے۔ ان میں اتفاق صرف دو صورتوں سے ہو سکتا ہے‘ یا تو مجمع میں کوئی اہلِ بصیرت اور اہلِ رائے نہ ہو۔ ایک نے کچھ کہہ دیا سب نے مان لیا اور یا پھر جان بوجھ کر کسی کی رعایت و مروت سے اپنے ضمیر اور اپنی رائے کے خلاف دوسرے کی بات پر صادر کر دیا‘ ورنہ اگر عقل و دیانت دونوں موجود ہوں تو رائے کا اختلاف ضروری ہے اور یہ اختلاف کبھی کسی حال پر مضر بھی نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کے لئے بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسمبلیوں میں حزبِ اختلاف کو اسی

بنیاد پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ [1]

قرآن وسنت کے مجملات اور مبہمات کی تشریح وتعبیر میں اسی طرح کے اختلافات کو "رحمت" کہا گیا ہے۔ [2] جو اسلام کے عہد اول سے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور پھر ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ میں چلے آئے ہیں۔ ان مسائل میں جو اختلافات صحابہ رضی اللہ عنہم کرام میں پیش آ چکے ہیں، ان کو مٹانے کے معنی اس کے سوا نہیں ہو سکتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کسی ایک جماعت کو باطل پر قرار دیا جائے، جو نصوص حدیث اور ارشاداتِ قرآنی کے بالکل خلاف ہے اسی لئے حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "جس مسئلے میں اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہو چکا ہے اس کو بالکل ختم کر دینا ممکن نہیں۔"

صحابہ اور ائمہ مجتہدین کا طرز عمل

اس کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیرِ کتاب وسنت کے ماتحت جو ان میں اختلاف رائے پیش آیا ہے اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو۔ باہمی اختلافِ مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا، اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ سیاسی مسائل میں مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا فتنہ، تکوینی حکمتوں کے ماتحت پیش آیا، آپس میں تلواریں بھی چل گئیں، مگر عین اس فتنہ کی ابتداء میں جب امامِ مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ باغیوں کے نرغے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کراتے تھے تو امامِ مظلوم نے

---

[1] حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی اس (اسمبلی) مثال سے تو اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ یہ تو خالص مغربی، جمہوری اور کافرانہ اندازِ سیاست اور طریق کار ہے، اس سے بہتر مثالیں تو خود نبئ رحمت ﷺ، خلافتِ راشدہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ سعادت ومبارک میں بیسیوں موجود ہیں، تو پھر ہم آج کے کافرانہ نظامِ سیاست اسمبلی کو مثال کیوں بنائیں۔ (خالد اشرف)

[2] روایت "اختلاف امتی رحمة" موضوع (من گھڑت) ہے۔ لہٰذا اس کا سہارا لینا یا اختلاف کیلئے جواز بنانا درست نہیں۔ (خالد اشرف)

مسلمانوں کو ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور عام ضابطہ یہ بتا دیا کہ

اذاھم احسنوا فاحسن معھم و ان ھم اساؤا فا جتنب اسائتھم"

''یعنی جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو اور جب کوئی برا کام اور غلط کام کریں اس سے اجتناب کرو۔''

اس ہدایت کے ذریعے اپنی جان پر کھیل کر مسلمانوں کو قرآنی ارشاد وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ کی صحیح تفسیر بتادی اور باہمی انتشار وافتراق کا دروازہ بند کر دیا۔

اور اسی فتنے کے آخر میں جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان میدانِ جنگ گرم تھا۔ روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے موقع پا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام ملا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب یہ تھا کہ ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علی کے لشکر کا پہلا سپاہی' جو تمہارے مقابلے کے لئے نکلے گا وہ معاویہ ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ باہمی اختلاف جو منافقین کی گہری سازشوں سے تشدد کا رخ اختیار کر چکا ہے اس میں بھی اسلام کے بنیادی حقائق کسی کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیرِ کتاب وسنت کے ماتحت اختلافِ رائے جو صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ میں رہا ہے تو وہ بلاشبہ رحمت ہی ہے۔ اس کا کوئی پہلو نہ پہلے مسلمانوں کے لئے مضر ثابت ہوا اور نہ آج ہو سکتا ہے' بشرطیکہ وہ انہی حدود کے اندر رہے' جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز' جماعت' امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا۔

جدال اور اصلاح

مذہب کے نام پر دوسرے اختلافات قرونِ اولٰی کے بعد بدعت وسنت اور دوسرے عنوانات سے پیدا ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے قرآن وسنت کی تعبیر میں

اصولِ صحیحہ کو چھوڑ کر ذاتی آراء کو امام بنا لیا اور نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے، یہ اختلافات بلاشبہ وہ تفریق وافتراق تھے جن سے قرآن وسنت میں مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے' ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید تھی' مگر قرآن حکیم نے اس کا بھی ایک خاص طریق بتادیا ہے جس کے ذریعے تفرق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے' بڑھنے نہ پائے۔ یہ وہ اصول دعوتِ الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت وتدبیر سے اور پھر خیر خواہی و ہمدردی اور نرم عنوان سے لوگوں کو قرآن وسنت کے صحیح مفہوم کی طرف بلانا ہے اور آخر میں **مجادلہ بالتی ھی احسن** یعنی حجت ودلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل عام اہلِ علم اور مصلحین نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا، صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزاؤ تمسخر اس کو زیر کرنے کے لئے جھوٹے' سچے' ناجائز' جائز' ہر طرح کے حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا' جس کا لازمی نتیجہ جنگ وجدل اور جھگڑا فساد تھا۔

اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج

آج جب کہ مسلمانوں کا تفرق انتہا کو پہنچا ہوا ہے' اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے' بلکہ سننے کے لئے بھی تیار نہیں اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کر سکے تو اس باہمی جنگ وجدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمے دار ذرا اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جن کے لئے قرآن نازل ہوا۔ رسول کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی ان کے لئے وقف کر دی اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے۔ جس ملک میں ایک طرف عیسائی مشنریاں اپنی قوت اور دنیاوی چمک دمک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے

کے خواب دیکھ رہی ہیں۔

ایک طرف کھلے بندوں اللہ اور رسول ﷺ اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے' ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جارہا ہے' جس کو دنیا سے مٹانے ہی کے لئے قرآن اور اسلام آیا تھا۔ اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق وتنقید اور ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر اللہ تعالیٰ و رسول کریم ﷺ کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑ رہی تھیں' تم نے اس کے لئے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ' کوئی جماعت جب ذرا اپنے وقتی جھگڑوں سے بلند ہو کر اس کو سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی اور اس کی کوشش کا رخ بدلے گا۔ اس کے نتیجے میں باہمی آویزش یقیناً کم ہوگی۔

میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے خیالات و مزعومات کو بدلے۔ گزارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائی صرف کرنے کا صحیح محل تلاش کر کے اس پر لگا دیں اور باہمی اختلافات کو صرف حلقہٴ درس یا فتویٰ یا تحقیقی رسائل تک محدود کر دیں اور ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصولِ دعوت کے مطابق نرم رکھیں۔ فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں۔ ہمارے پبلک جلسے' اخبار' اشتہار بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے...... اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں...... تو پھر ہماری جنگ' جو فساد کی صورت اختیار کر چکی ہے' دوبارہ جہاد میں تبدیل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں

عوام کا رخ بھی باہمی جنگ وجدل سے پھر کر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہو جائے گا۔

صحیح اور غلط طرزِ عمل

بہت سے حضرات مسائل میں علماء کے اختلافات سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں، جس کی تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں سب سے آزاد ہو کر جو سمجھ میں آئے کیا کریں اور بہ ظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بجانب نظر آتا ہے، لیکن ذرا غور فرمائیں تو ان کو اس کا جواب اپنے گردوپیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔ ایک صاحب بیمار ہوئے۔ ڈاکٹروں یا حکیموں کی آراء میں تشخیص و تجویز کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو وہ کیا کرتے ہیں یہی نا کہ وہ ان ڈاکٹروں، حکیموں کی ڈگریاں معلوم کر کے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہلِ تجربہ سے دریافت کر کے اپنے علاج کے لئے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کر لیتے ہیں۔ اسی کی تشخیص و تجویز پر عمل کرتے ہیں، مگر دوسرے ڈاکٹروں حکمیوں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑو، اپنی آزاد رائے سے جو چاہو کرو۔ کیا یہی طرزِ عمل علماء کے اختلاف کے وقت نہیں کر سکتے۔

ایک مثال اور لیجئے۔ آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے۔ قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ کیا ان میں اختلاف رائے ہوا تو کوئی آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ دے یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے۔ خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آئے کرے۔ بلکہ ہوتا یہی ہے کہ مختلف طریقوں سے ہر شخص اتنی تحقیق کر لیتا ہے کہ ان میں کون سا وکیل اچھا جاننے والا اور قابلِ اعتماد ہے۔ اس کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے اور دوسرے وکلاء کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا، برا

بھلا نہیں کہتا' اس سے لڑتا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلافِ علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا

یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو اگر آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچتا ہے وہ آپ کو ضرور پہنچے گا' مگر علماء کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ سوال کرنے والے پر نہیں' بلکہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی ہی تحقیق و جستجو کے ذریعے معلوم کیا ہو۔ جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں' اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش و جستجو کر کے آپ نے ان کے قول پر عمل کر لیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہو گئے۔ اگر اس نے غلط بھی بتا دیا ہے تو آپ پر اس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں۔

ہاں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو اس کا ایم۔ بی۔ ایس ہونا بھی معلوم کریں اور یہ بھی کہ اس کے مطب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں مگر عالم کی تلاش میں صرف عمامہ' کرتے اور داڑھی کو یا زیادہ سے زیادہ جلسے میں کچھ بول لینے کو معیار بنا لیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں۔ اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ بھی اس کے مجرم قرار پائیں گے۔

باہمی جنگ و جدال کے دور کن

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آج مذہب کے نام پر جو جنگ و جدال کا بازار گرم ہے اس کے دو رکن ہیں۔

ایک ہر فرقہ جماعت کے علماء

دوسرے وہ عوام جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

علماء اگر اپنی تحقیق و تنقید میں قرآنی اصولِ دعوت کے مطابق دوسروں کی تنقیص و توہین سے پرہیز کرنے لگیں اور اسلام کے وہ بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں اور اسلام اور مسلمانوں پر جو مصائب آج آ رہے ہیں وہ سب انہی مسائل سے متعلق ہیں' اپنی کوششوں اور محنتوں کا رخ اس طرف پھیر دیں۔ اسی طرح عوام اپنی مقدور بھر پوری کوشش کر کے صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھر اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے رہیں۔ دوسرے علماء یا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں تو بتایئے کہ ان میں اشکال کیا ہے۔ سارے فرقے اور ان کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ و جدل ختم ہو سکتا ہے، جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرزِ عمل بدلنے کی ضرورت ہے۔

"کاش میری یہ آواز ان بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے' جو اس راہ میں کچھ کام کر سکتے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت کے لئے کھڑے ہو جائیں تو امت کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں اور ہمارا پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کی غار میں جا چکا ہے ان سے نجات مل جائے۔"

عام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مذہبی معاملات میں جس شخص نے کوئی خاص رخ اختیار کر رکھا ہے وہ اسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تلقین سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہے' خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بالکل غلط ہی ہو۔ مگر اس کا

نظریہ کم از کم یہی ہے کہ وہ اللہ کا دین ہے۔ ان حالات میں اس کو ہمدردی اور نرمی سے اپنی جگہ افہام و تفہیم کی کوشش تو بجائے خود جاری رہنا چاہیے۔ لیکن جب تک اسکا نظریہ نہ بدلے اس کو یہ دعوت نہیں دی جا سکتی کہ تم ایثار کر کے اپنا نظریہ چھوڑ دو اور صلح کر لو۔ ان سے تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اختلاف رائے کو اپنی حدود کے اندر رکھیں اور افہام و تفہیم' قرآنی اصولِ حکمت' موعظت' **مجادلہ باللتی ھی احسن** کو نظر انداز نہ کریں، مگر جن معاملات کا تعلق صرف شخصی اور ذاتی حقوق اور خواہشات سے ہے' وہاں یہ معاملہ سہل ہے کہ جھگڑے سے بچنے کے لئے دوسرے کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے' اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور جو شخص ایسا کرے دنیا میں بھی اس کی عزت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس مقصد کو چھوڑا ہے وہ بھی دوسرے راستے سے حاصل ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو اس کے لئے ایک عظیم الشان بشارت ہے جس کا بدل پوری دنیا اور دنیا کی ساری حکومتیں اور ثروتیں بھی نہیں ہو سکتیں۔

۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "**انا زعیم بیت فی ربض الجنة لمن ترک المراء و ھو مُحِقٌّ.**" "میں ضامن ہوں اس شخص کو وسط جنت میں مکان دلانے کا جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا۔"

میں آخر میں پھر اپنے پہلے جملے کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ہماری ساری خرابیوں کی بنیاد قرآن کو چھوڑنا[1] اور آپس میں لڑنا ہے اور یہ آپس کی لڑائی بھی درحقیقت قرآنی تعلیمات سے ناواقفیت یا غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ گروہی تعصّبات نے یہ حقائق نظروں سے اوجھل کر رکھے ہیں۔

---

1 دنیا میں صالحین کی اگرچہ قلت ضرور ہے' مگر فقدان نہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے مصلحین کا سخت قحط ہے جو گرد و پیش کے چھوٹے چھوٹے دائروں سے ذرا سر نکال کر باہر دیکھیں کہ اسلام اور قرآن ان کو کس طرف بلا رہا ہے ان کی صدا سنیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے راستے پر چلنے کی توفیقِ کامل عطا فرما دیں۔ وما علینا الا البلاغ المبین

مناظرہ و مجادلہ

تحریر: امام ابوعمر ابن عبدالبر اندلسیؒ
ترجمہ: مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ندویؒ

ابوعمرؒ کہتے ہیں احادیث ناطق ہیں۔ کہ قرآن میں مناظرہ وجدال ممنوع ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ ''قرآن میں حجت کرنا کفر ہے۔'' معنی یہ ہیں کہ قرآن کی کسی آیت کو ایک شخص آیت بتائے اور دوسرا تردید یا شک کرے۔ اسی طرح سلف صالح نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں بحث و تکرار سے منع کیا ہے۔ لیکن فقہ کا معاملہ دوسرا ہے، فقہ میں بحث و مناظرے کے جواز وضرورت پر سب کا اتفاق ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا علم ہے جس میں فروع کو اصول کی طرف لوٹانا اور احکام کا استخراج کرنا ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف عقائد میں ایسا نہیں ہوتا۔ عقائد کا معاملہ عقل و قیاس کی الجھنوں سے الگ ہے۔ اسماء وصفاتِ الٰہی اہلِ سنت کے نزدیک وہی ہیں جو خود اللہ نے اپنی کتابِ حمید میں ذکر فرمائے ہیں۔ یا جن کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ یا جن پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس ذاتِ برتر کے مثل کوئی شے نہیں، کہ قیاس یا عقل وفکر کی راہ سے گفتگو ہو سکے۔

یہی سبب ہے کہ ذاتِ الٰہی میں بحث کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ البتہ مخلوقاتِ الٰہی میں تفکر و تدبر کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ صفاتِ الٰہی پر دلالت کرتی ہے۔ اب دینِ حق بفضلِ اللہ عام ہو چکا ہے اور گھروں میں بیٹھنے والی مستورات تک بھی پہنچ گیا ہے۔ اس لئے بحثوں کی ضرورت باقی نہیں۔

یحییٰ بن سعیدؒ سے مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ''جو کوئی اپنے دین کو بحثوں کا نشانہ بناتا ہے اس کا اعتقاد بھی ڈانواں ڈول رہتا ہے۔''

مغیرہ بن ابراہیمؒ کہتے ہیں۔ ''اگلے بزرگ دین کے معاملے میں تلوّن کو ناپسند کرتے تھے۔''

اوزاعیؒ کا بیان ہے۔ کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''جب لوگوں کو دیکھو کہ عوام سے چھپ کر دین کے معاملہ میں سرگوشیاں کر رہے ہیں تو سمجھ جاؤ کہ گمراہی پھیلانے کی فکر میں ہیں۔''

ابو مسعود، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور نصیحت چاہی۔ تو فرمایا۔ ''کیا تجھے یقین نہیں پہنچا ہے؟ پہنچا ہے تو یاد رکھ' سراسر گمراہی یہ ہے کہ جس بات کو تو برا سمجھا کرتا تھا' اسے اچھا سمجھے اور جس بات کو اچھا سمجھا کرتا تھا اسے برا سمجھنے لگے۔ خبردار دینِ الٰہی میں تلوّن سے کام نہ رکھنا کیونکہ دینِ الٰہی بس ایک ہی ہے ایک سے زیادہ نہیں۔''

اوزاعیؒ کہا کرتے تھے۔ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ

''اللہ کسی قوم کی برائی چاہتا ہے تو اس میں بحث وجدل کی گرم بازاری ہو جاتی ہے۔ اور عمل کا ولولہ جاتا رہتا ہے۔''

فرازیؒ سے مروی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین کی بابت سوال کیا گیا۔ تو فرمایا۔ ''صفین کے خون سے اللہ نے میرے ہاتھ رنگین ہونے نہیں دیئے۔ تو اب میں کیوں اپنی زبان اس خون سے رنگین کروں!''

معاویہ بن عمرؒ کا مقولہ ہے۔

''بحث مباحثے سے دور رہو۔ کیونکہ اس سے عمل گم ہو جاتا ہے۔''

محمد بن الحنفیہؒ فرمایا کرتے تھے۔ ''دنیا ختم نہیں ہو گی جب تک لوگ اپنے پروردگار کے بارے میں بھی بحث نہ کرنے لگیں۔'' یہی مضمون ایک حدیث مرفوع کا بھی ہے۔

ہیثم بن جمیلؒ کہتے ہیں۔ میں نے امام مالکؒ سے دریافت کیا۔ ''کیا محدث کو حمایتِ حدیث میں مناظرہ کرنا چاہیئے؟'' فرمایا۔ ''ہرگز نہیں! محدث کو چاہیئے کہ حدیث سنا دے، لوگ قبول نہ کریں تو خاموش ہو جائے۔''

مصعب بن عبداللہؒ کا بیان ہے کہ میں نے اسحاق بن اسرائیلؒ سے مباحثہ کرنا چاہا تو کہنے لگے۔ "بھائی! میں نہ یہ کہتا ہوں نہ وہ کہتا ہوں" پھر فرمایا۔ "مجھے اپنے مسلک میں شک نہیں ہے لیکن وہی کہوں گا جو ثابت ہے اور جو ثابت نہیں اس پر سلف صالحین کی طرح خاموش رہوں گا۔" مصعبؒ کہتے ہیں اس پر میں نے اپنے کچھ شعر سنائے جو بہت پسند کئے اور انہیں لکھ لیا۔ وہ شعر حسب ذیل ہیں:۔

أاقعد بعد ما رجفت عظامی　　و كانت الموت اقرب ما يلينی

اب کہ میری ہڈیاں لرز رہی ہیں۔ اور موت اس قدر نزدیک آ چکی ہے

اجادل كل معترض خصيم　　اجعل دينه غرضا لدينی

میں ہر جھگڑالو سے بحث کرنے بیٹھوں گا اور اسکے دین کو اپنے دین کا نشانہ بناؤں گا

فاترك ما علمت لرأی غيری　　و ليس الرأی كالعلم اليقينی

اپنے علم کو دوسروں کی رائے کے چلتے چھوڑ دوں گا۔ حالانکہ رائے، علم یقین کے برابر نہیں

و ما انا والخصومة وهی لبس　　تصرف فی الشمال و فی اليمين

مجھے مباحثے سے کیا کام؟ مباحثہ شک ہے اور اِدھر اُدھر بھٹکنے کا نام

و قد سنت لنا سنن قوام　　يلحن بكل فج اووجين

مستحکم سنتیں، ہمارے لئے مقرر ہو چکی ہیں، اور ہر طرف روشنی پھیلا رہی ہیں

و كان الحق ليس له خفاء　　اغر كغرة الفلق المبين

حق کچھ چھپا ڈھکا نہیں۔ وہ پیشانیِ صبح کی طرح روشن ہے

و ما عوض لنا منهاج جهم　　بمنهاج ابن آمنة الامين

جہم کا راستہ، آمنہ کے فرزندِ امین ﷺ کے راستے کا بدل نہیں ہو سکتا

فأما ما علمت فقد كفانی　　و أما ما جهلت فجنبونی

جو کچھ جانتا پہچانتا ہوں، میرے لئے کافی ہے اور جو اجنبی ہے اسے مجھ سے دور ہی رکھو

فلست مکفرا احدیصلی و ما احرمکم ان تکفرونی
میں کسی نمازی کی تکفیر کرنے والا نہیں اور میری تکفیر بھی تم پر سخت حرام ہے

وکنا اخوۃ نرمی جمیعا فنرمی کل مرتاب ظنین
ہم بھائی بھائی تھے اور ایک ہو کر بدراہوں کا مقابلہ کرتے تھے۔

فما برح التکلف ان رمینا بشان واحد فرق الشؤون
لیکن یہ قیل وقال ہمیں ایسا کر کے رہی کہ دوسروں کا نشانہ بن گئے۔

فاوشک ان یحزعما دبیت و ینقطع القرین عن القرین
اب قریب ہے کہ عمارت ڈھ جائے اور بھائی بھائی سے جدا ہو جائے

انہی مصعب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا:۔

"دین کے اندر گفتگو مجھے پسند نہیں ۔ ہمارے شہر کے لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔ اس سے منع کرتے جیسے جہم کی رائے اور قضاء وقدر وغیرہ مسائل ہیں، بحث میں وہی گفتگو پسند کرتا ہوں جس کا نتیجہ عمل ہو دینِ الٰہی اور ذاتِ الٰہی میں مجھے گفتگو نہیں سکوت پسند ہے۔ کیونکہ میں نے اپنے شہر کے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ دینِ الٰہی میں قیل و قال سے روکتے تھے۔ اور وہی گفتگو پسند کرتے تھے۔ جو عمل کی رغبت دیتی ہے۔"

ابو عمرؒ کہتے ہیں۔ امام مالکؒ کے اس قول سے واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک اور علمائے مدینہ کے نزدیک وہی گفتگو مباح ہے، جس کا نتیجہ عمل ہو۔ اور یہ کہ دین اللہ میں محض لفظی نزاع اور اسماء وصفاتِ الٰہی میں قیل وقال مذموم و مکروہ ہے۔ امام مالکؒ نے جو کچھ فرمایا ہے۔ ہر زمانے کے فقہاء وعلماء حق کا وہی مسلک رہا ہے۔ اور معتزلہ وغیرہ بدعتی فرقوں کے علاوہ اہلِ سنت میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ بے شک کوئی ایسی ہی مجبوری آ پڑے۔ لوگوں کے عام گمراہی میں مبتلا ہو جانے کا

اندیشہ ہو تو بقدرِ ضرورت اس طرح کی گفتگو مباح ہے۔

اس قسم کے مناظروں سے سلف صالحین اس قدر ڈرتے اور بچتے تھے کہ سفیان بن عینیہؒ نے کہا، میں نے جابر جعفی کی زبان سے ایسی گفتگو سنی۔ کہ خوف ہوا کہ کہیں چھت مجھ پر اور اس پر پھٹ نہ پڑے۔

یونس بن عبدالاعلیٰؒ کہتے ہیں جب امام شافعیؒ اور حفص الفردؒ میں مناظرہ ہوا۔ تو امام شافعیؒ نے مجھ سے فرمایا۔ ''ابو موسیٰؒ شرک کے علاوہ اور جس گناہ سے بھی آلودہ ہو کر بندہ پروردگار کے حضور جائے۔ مگر ''کلام'' کے گناہ سے آلودہ نہ ہو۔ میں نے حفص کے منہ سے ایسی گفتگو سنی ہے جسے دہرانے کی مجھ میں جرأت نہیں۔''

نیز امام شافعیؒ کا قول ہے۔ ''اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ علمِ کلام میں کیسی کیسی گمراہیاں ہیں تو ضرور اس سے اسی طرح بھاگنے لگیں جس طرح شیر سے بھاگا جاتا ہے۔''

اور فرمایا جب کسی کو کہتے سنو اسم غیر مسمّٰی ہے یا مسمّٰی تو گواہ ہو جاؤ کہ وہ اہلِ کلام سے ہے بے دین ہے۔''

اور فرمایا۔ ''اہلِ کلام کے بارے میں میرا فتویٰ ہے کہ کھجور کی قمچیوں سے پیٹے جائیں اور قبائل میں انہیں گشت کرایا جائے۔ یہی سزا ان لوگوں کی ہے۔ جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر کلام پر جھک پڑے ہیں۔''

امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے۔ ''علم کلام والا کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ جس کسی کو علمِ کلام میں تھوڑا سا دخل ہے۔ اس کے دل میں ضرور کھوٹ پاؤ گے۔''

امام مالکؒ کا مقولہ ہے۔ ''یہ حجتی لوگ جب بڑے حجتیوں سے ہار جائیں گے، تو کیا اپنا دین بھی چھوڑ کر نئے نئے دین قبول کرتے رہیں گے؟''

حسن بن زیادؒ سے ایک شخص نے سوال کیا۔ ''کیا امام زفر بن ہذیل کو علم کلام میں دخل تھا۔ حسنؒ یہ سن کر برہم ہوئے اور کہا سبحان اللہ! تو بھی کس قدر احمق ہے!

ہمارے مشائخ زفرؒ، ابو یوسفؒ، ابو حنیفہؒ اور وہ تمام بزرگ جن کی صحبت ہمیں نصیب ہوئی اور جن سے ہم نے کسبِ علم کیا ہے ہمیشہ فقہ میں مشغول اور سلف صالحین کی پیروی میں سرگرم رہتے تھے۔''

ایک دن طاؤس اور وہب بن منبہ میں ملاقات ہوئی۔ طاؤس نے کہا۔ ''ابو عبداللہ! میں نے آپ کے بارے میں ایک بہت بڑی بات سنی ہے۔'' وہب نے پوچھا۔ ''وہ کیا بات ہے؟'' طاؤس نے کہا۔ ''یہ کہ آپ کہتے ہیں۔ اللہ ہی نے تو قومِ لوط کو ایک دوسرے پر سوار کیا تھا!'' وہب نے جواب میں صرف اس قدر کہا۔ ''اعوذ باللہ'' اور دونوں خاموش ہو گئے۔ آپس میں کوئی ردوقدح نہ ہوئی۔

ابو عمرؒ کہتے ہیں اہلِ فقہ واثر تمام ممالک میں متفق ہیں کہ علمِ کلام والے اہلِ بدعت وزیغ ہیں۔ اور زمرۂ علماء میں محبوب نہیں۔ علماء صرف اہلِ اثر واصحابِ حدیث اور تفقہ رکھنے والے لوگ ہیں جن کے مرتبے فہم وتمیز کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد اسحاقؒ مصری نے اپنی کتاب ''الاجارات'' میں تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ اور جملہ علمائے مالکیہ کے نزدیک اہلِ کلام اہلِ بدعت ہیں۔ ہر ''متکلم'' بدعتی ہے۔ عام اس سے کہ اشعری ہو یا معتزلی یا کوئی اور نام رکھ لے۔ اسلام میں اس کی شہادت مقبول نہیں۔

ابو عمرؒ کہتے ہیں۔ اسماء وصفاتِ الٰہی کے جملہ اعتقادات کی بنیاد سراسر کتاب اللہ وصحیح سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اجماعِ امت پر ہے۔ بلکہ اس باب میں احادیثِ آحاد کو بھی بے چون وچرا تسلیم کر لینا اور ان میں بحث ومناظرے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اوزاعیؒ کا بیان ہے کہ مکحولؒ اور زہریؒ کہا کرتے تھے۔ ''یہ حدیثیں جس طرح آئی ہیں۔ اسی طرح چلنے دو۔''

امام مالکؒ، اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، معمر بن راشدؒ نے بھی احادیثِ صفات میں یہی کہا ہے۔ کہ ''جیسی وارد ہوئی ہے۔ ویسی ہی رہنے دو۔ مثلاً

یہ حدیث کہ اللہ اترے گا۔ یا یہ حدیث کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ یا یہ کہ اللہ جہنم میں اپنا قدم رکھے گا، یا یہ کہ اللہ آسمانوں کو اپنی ایک انگلی پر اٹھائے گا، یا یہ کہ انسان کا دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ تو ان حدیثوں کو بلا تاویل و بحث رہنے دینا چاہئے۔"

حسن بصریؒ کہا کرتے تھے۔ "نہ بدعتیوں کی صحبت اختیار کرو، نہ ان سے بحث کرو۔ نہ حدیث سنو۔"

جعفرؒ کا قول ہے۔

"اللہ نے کچھ علم بندوں کو دیا ہے۔ اور کچھ نہیں دیا جو کوئی اس علم کے پیچھے پڑے گا جو نہیں دیا گیا تو اللہ اس سے برابر دور ہوتا چلا جائے گا۔ قضا و قدر کا مسئلہ بھی اسی علم میں سے ہے۔ جو اللہ نے بندوں کو نہیں دیا۔"

اور فرمایا۔ "قضا و قدر میں بحث کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو سورج پر نگاہیں جما لیتا ہے اور جتنا گھورتا جاتا ہے اسی قدر اس کی آنکھیں خیرہ ہوتی چلی جاتی ہیں۔"

سعید بن جبیرؒ کا مقولہ ہے۔ "جو بات اصحابِ بدر کو معلوم نہیں وہ دین بھی نہیں۔"

ابو عمرؒ کہتے ہیں۔ "نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر و ثقہ راویوں نے صحت کے ساتھ جو کچھ روایت کیا ہے۔ وہی علم ہے اور اسی پر یقین کرنا چاہئے جو بات ان کے بعد نکالی گئی ہے اور ان سے ثابت علم پر استوار نہیں۔ وہ بدعت و گمراہی ہے اسماء و صفاتِ الٰہی میں جو کچھ ثابت ہے۔ اسے تسلیم کر لینا چاہئے اور بحث و مناظرہ سے اسی طرح پرہیز کرنا چاہئے۔ جس طرح خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے پرہیز کیا ہے۔ سلف نے ان امور کو روایت کیا ہے، مگر ان میں قیل و قال سے گریز کیا ہے۔ حالانکہ وہ علم میں سب سے زیادہ گہرے، فہم میں سب سے آگے اور تصنع و تکلف میں سب

سے پیچھے تھے۔ان کا یہ سکوت کچھ درماندگی و جہل کی وجہ سے نہ تھا وہ وسیع علم رکھتے تھے اور موقعہ پر بولنے سے چوکتے بھی نہیں تھے، مگر انہوں نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کی۔ کیونکہ ان معاملات میں گفتگو بے بنیاد اور بے فائدہ ہے۔بس جو بات ان بزرگوں کے لئے انسب واصلح تھی اسے جو کوئی اپنے لئے مناسب نہیں سمجھتا اس پر اور اس کی بدنصیبی پر افسوس کرنا چاہیئے۔''

حسن بصریؒ کی مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہوا تو فرمایا۔''تم انہیں جانتے بھی ہو؟'' یہ امت میں سب سے بہتر دل رکھنے والے سب سے گہرا علم جاننے والے سب سے کم بناوٹ کرنے والے لوگ تھے۔ اللہ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت و رفاقت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔لہٰذا ان کے سے اخلاق بناؤ، اور ان کے طریقوں پر چلنے کی کوشش کرو۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ ربِ کعبہ کی قسم! وہ سراسر راہ ہدایت پر استوار تھے۔

ابراہیمؒ کہا کرتے تھے۔''تم ایسے کہاں کے برگزیدہ ہو کہ اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں سے علم چھپا کر تمہارے لئے اٹھا رکھا تھا۔''

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔'' اے مجمع قراء! اگلوں کے نقش قدم پر چلو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگلوں کی پیروی کرو تو ہدایت میں بازی لے جاؤ گے۔لیکن ان کے رستے سے ہٹ کر دائیں بائیں چلنے لگو گے۔تو بھرپور گمراہی کا شکار ہو جاؤ گے۔''

قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

''تم اگر کسی کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہتے ہو۔تو اصحابِ رضی اللہ عنہم محمد ﷺ کو نمونہ بناؤ۔اصحابِ رضی اللہ عنہم محمد ﷺ اس امت میں سب سے زیادہ نیک دل رکھنے والے، سب سے گہرا علم جاننے والے، سب سے کم بناوٹ کرنے والے لوگ ہیں، جبھی تو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی رفاقت اور

دین کی استواری کے لئے انہیں منتخب کیا۔ لہٰذا ان کی بزرگی کے قائل رہو اور ان کے طریقوں کی پیروی کرو، بے شک وہ صراطِ مستقیم پر استوار رہے۔"

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"ہدایت پا جانے کے بعد وہی گمراہ ہوتے ہیں جنہیں بحث و جدال میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔" پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

"مَاضَرَبُوْهُ لَکَ اِلَّاجَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ

[الزخرف:۵۸]

"انہوں نے (عیسیٰ علیہ السلام) کی جو مثال بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو حقیقت یہ ہے یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔"

ابوعمرؒ کہتے ہیں۔ "سلف نے علمِ فقہ میں مباحثہ ومناظرہ کیا ہے لیکن عقائد میں اس سے منع کیا ہے کیونکہ عقائد میں مباحثہ آدمی کو دین سے باہر کر دیتا ہے کیا تم نے سنا نہیں۔ کہ جب بشر نے آیت:

مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ. [المجادلة:۷]

"تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان میں چوتھا ہوتا ہے۔"

کے بارے میں کہا۔

"اللہ بذاتِ خود ہر جگہ موجود ہے۔" تو اس کے حریف نے کہنا شروع کیا۔ "یہی بات ہے تو پھر اللہ تمہاری ٹوپی کے نیچے، تمہارے باغ کی چہار دیواری کے اندر اور تمہارے گدھے کی کھال کے پیچھے بھی چھپا بیٹھا ہوگا۔"

وکیع رحمہ اللہ نے یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ، حالانکہ واللہ میں ان لوگوں کی گفتگو نقل کرنا بھی از حد ناپسند کرتا ہوں، علماء نے اس قسم کی باتوں سے منع کیا ہے۔

ربیعہؒ سے ایک شخص نے سوال کیا۔ قرآن میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو پہلے جگہ کیوں دی گئی۔ حالانکہ یہ دونوں سورتیں مدینے میں اتری ہیں اور کچھ اوپر اسّی سورتیں۔ ان سے پہلے نازل ہو چکی تھیں؟ ربیعہ نے جواب دیا۔ ان سورتوں کو پہلے اس لئے رکھا گیا ہے کہ قرآن کے مرتب کرنے والے سورتوں کی ترتیب سے متعلق کوئی خاص علم رکھتے تھے انہوں نے بلا اختلاف اسی ترتیب پر اتفاق کیا۔ لہٰذا اسے قبول کرنا اور اس میں بحث کرنا نہیں چاہیے۔"

ابو الزنادؒ کہا کرتے تھے۔ بخدا ہم سنن کو بھی اہلِ فہم و دیانت سے اسی اہتمام کے ساتھ لیتے تھے جس اہتمام سے آیاتِ قرآنی سیکھتے ہیں۔ جن نیکوکار اور مخیّر بزرگوں کو ہم نے دیکھا ہے وہ بال کی کھال اتارنے والے جحتیوں اور دین میں محض اپنی رائے سے جھگڑنے والوں کی سخت مذمت کرتے تھے اور ان سے میل جول خلا ملا رکھنے سے بشدت منع کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے یہ گمراہ لوگ ہیں کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں حالانکہ نبی ﷺ نے دنیا سے کوچ نہیں کیا، جب تک کہ مسلمانوں کو قیل و قال، کثرت سوال اور بے معنی حجت و تکرار سے سختی کے ساتھ روک نہیں دیا۔ یہاں تک فرما دیا کہ "جب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں تم بھی مجھے چھوڑے رہو۔ یاد رکھو اگلی قومیں اسی سے ہلاک ہوئی ہیں۔ کہ بکثرت سوال کیا کرتی تھیں اور سوال کے بعد جب حکم مل جاتا تھا تو اپنے پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت بھی کیا کرتی تھیں تم یہ کرو کہ "جس بات سے منع کروں اس سے باز رہو۔ اور جس کا حکم دوں اس کی حتی الوسع تعمیل کرو۔"